پریس حکومت تعلقات۔ مارشلائی حکومتوں اور جمہوری دَور کا تقابلی جائزہ

شہزاد علی* ڈاکٹر ممتاز کلیانی**

Abstract:

In this research article, Press Govt. relations during dictatorial and democratic regimes of Field Martial General Ayub Khan (1958-69), General Yahya Khan (1969-1971) and Zulfiqar Ali Bhutto (1971-1977) have been analyzed in critical and objective manner. This article has briefly described various tactics i.e. legal, economic and social, used by these regimes for curtailing and curbing freedom of Press in Pakistan. Perceptions, versions and point of view of the rulers have also been mentioned by the researchers. The article concludes that both autocratic and democratic regimes have tried to fix up media practitioners and Press. The Press Govt. relations, on the whole had been deteriorated with each passing day during this specific era.

The findings of the research indicates that democratic Govt. of Zulfiqar Ali Bhutto had adopted same stern measures for curtailing the freedom of Press as used by his predecessor dictatorial regimes.

جمہوری معاشرے کی بنیاد چار عناصر سے مل کر ترتیب پاتی ہے: مقنّنہ، عدلیہ، انتظامیہ اور پریس، کسی بھی جمہوری مملکت کے چار اہم ستون سمجھے جاتے ہیں۔ مہذب معاشرے میں کوئی بھی حکومت پریس کو نظر انداز کر کے زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکتی، پریس ہر معاشرے میں مسلمہ اہمیت اختیار کر چکا ہے آج کے دَور کو ابلاغیات کے عہد (Age of Communication) کا نام دیا جا رہا ہے۔

جب سے جدید صحافت کا آغاز ہوا ہے اس وقت سے لے کر آج تک پریس اور حکومت کے روابط اور تعلقات مثالی نہیں رہے ہیں، فریقین ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں، کسی بھی ملک میں ہر حکومت کی یہ حتی الامکان سعی ہوتی ہے کہ پریس اس کی غلطیوں، مظالم اور بدعنوانیوں کی نشان دہی نہ کرے اور اس کی غلط کاریوں کا پردہ چاک نہ کرے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ پریس جب حکومت کو اس کے فرائض اور ذمہ داریاں یاد دلاتا ہے اور رائے

* لیکچرر، شعبہ ابلاغیات، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

عامہ کے سامنے حکومت کی کارکردگی کا پردہ چاک کرتا ہے تو حکومتیں مختلف حربے اختیار کرکے پریس کو بے بس کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ پریس کو پابند سلاسل کیا جاتا ہے، آزادی صحافت کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے، اخبارات کو معاشی لحاظ سے نقصان پہنچایا جاتا ہے، حکومتیں آزادی صحافت پر قدغنیں لگانے کے لیے مختلف حربے اختیار کرتی ہیں۔ ان حربوں میں (۱) اشتہارات کی بندش (۲) نیوز پرنٹ کوٹہ میں کمی (۳) قوانین نافذ کرکے (۴) صحافیوں کو ہراساں کرنا (۵) اخبار کے ڈیکلریشن کی منسوخی (۶) پریس ایڈوائس وغیرہ شامل ہیں۔ دوسری طرف اخبارات بھی بعض اوقات حکومتوں کو بلیک میل کرکے اپنے مقاصد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حکومتوں کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، بے بنیاد افواہیں پھیلائی جاتی ہیں، مختلف معمولی واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے (play up)۔ اس مطالعے میں پریس حکومت تعلقات کا جائزہ غیر جمہوری اور جمہوری دَور کے حوالے سے لیا گیا ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں آزادی کی تحریکیں اپنے عروج پر تھیں، ان تحریکوں کو پروان چڑھانے میں ہندو اور مسلمان پریس دونوں نے نمایاں خدمات سرانجام دیں، ہندو پریس کے ساتھ انگریز سرکار کے تعلقات بہتر نہیں تھے، برطانوی سامراجیت نے ہندو پریس کو کچلنے کے لیے مختلف حربے استعمال کیے، مہاشے کرشن نے ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو ''پرتاب'' لاہور سے جاری کیا، آزادی کی تحریک کے حوالے سے پرتاب کا کردار حکومت کے لیے کسی لحاظ سے بھی گوارا نہیں تھا۔ ۱۱/اپریل کو اخبار پر سنسرشپ عائد کردی گئی، مہاشے کرشن نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا اور احتجاج کے طور پر اپنے اخبار کی اشاعت بند کردی۔ اس طرح مہاشے کرشن نے انیسویں صدی کے آزادی صحافت کے اولین مجاہد راجہ رام موہن رائے کی روایت تازہ کردی۔ راجہ رام موہن رائے نے ۱۸۲۳ء کے سرکاری قواعد Adam's Regulation کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنا فارسی اخبار 'مراۃ الاخبار' بند کردیا تھا، انہوں نے اپنے اداریے میں ایک فارسی شاعر کی زبان سے کہا تھا کہ جو عزت خون جگر کے سینکڑوں قطرے بہانے کے بعد ملی ہو اسے ایک دربان کے آگے اس امید پر نہیں بیچ دینا چاہیے کہ شاید مزید عزت مل جائے سنسرشپ منظور نہ کرنے کی پاداش میں پرتاب کے ایڈیٹر مہاشے کرشن کو جیل میں ڈال دیا گیا۔[۱]

ہندوستان میں جب سول نافرمانی کی تحریک زور پکڑنے لگی تو حکومت کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں فساد اور ہنگاموں کا سلسلہ ایک بار پھر زور نہ پکڑ لے، چنانچہ احتیاط کے طور پر ۱۹۳۱ء میں نیا پریس ایکٹ جاری کیا گیا، اخبارات نے سول نافرمانی کی تحریک کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا، حکومت نے اخبارات کو سبق سکھانے

کے لیے ان کے خلاف انتقامی کارروائیاں کیں اور اخبارات کے ڈیکلریشن منسوخ کر کے نئی ضمانتیں طلب کرنا شروع کیں۔ احسن اختر ناز ''صحافتی قوانین'' میں رقم طراز ہیں کہ ۱۹۳۲ء میں کریمنل لاء ایمنڈمنٹ کے تحت ایسے جرائم کی ایک طویل فہرست مرتب کی گئی جس کی بناء پر دھڑا دھڑ ضمانتیں طلب اور ضبط کی جانے لگیں۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں حکومت نے اخبارات کو تنبیہ کی اگر کوئی اخبار جنگی کاوشوں کے منافی خبریں شائع کرے گا اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی[۲]۔ اخبارات اس فیصلہ پر سراپا احتجاج بن گئے اور ملک بھر کے مدیروں کی دہلی میں کانفرنس طلب کی گئی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اگر حکومت اس حکم کو واپس لے لے تو ہندوستانی اخبارات برطانوی اخبارات کی طرح رضا کارانہ سنسرشپ کی پابندی قبول کرنے کو تیار ہیں۔ حکومت نے پریس کی تجویز کا خیر مقدم کیا۔

۱۹۴۰ء میں گاندھی کی ستیہ گری کے نتیجہ میں حکومت اور اخبارات کے مدیروں میں طے پایا کہ حکومت جنگ کی مخالفت میں خبر کی اشاعت پر پابندی ختم کر دے گی اور اخبارات کی رہنمائی کے لیے پریس ایڈوائزر مقرر کرے گی لیکن یہ انتظامات اخبارات کے لیے مفید ثابت نہیں ہوئے۔ پریس ایڈوائزروں نے اپنی حدود سے تجاوز کیا، بعض خبروں کی اشاعت ایک صوبے میں جائز اور دوسرے میں ناجائز قرار پائی۔ مستند اور صحیح خبروں کی اتنی قطع و برید ہوتی کہ ان کا حلیہ ہی بگڑ جاتا، یہی نہیں اخباروں کو یہ بھی بتایا جانے لگا کہ فلاں خبر کہاں اور کس قسم کے عنوان کے تحت اور کس ٹائپ میں چھاپی جائے، سیاسی خبریں تو درکنار، سرکاری حکام پر نکتہ چینی بھی جنگی مفاد کے منافی قرار دی گئی۔[۳]

۸ اگست ۱۹۴۲ء کو 'ہندوستان چھوڑ دو' کی تحریک شروع ہوئی تو حکومت نے اخباروں پر ہنگامی قوانین کے تحت پابندی لگا دی کہ تحریک کے بارے میں غیر سرکاری ذرائع سے حاصل ہونے والی خبریں شائع نہیں کی جاسکتیں، چنانچہ 'سائیکلوسٹائل' میں چھپے ہوئے خفیہ اخبار بکنے لگے، خفیہ اخبار چھپنے کی صورت حال ۱۹۴۷ء کے آغاز میں پیدا ہوئی تھی جب ہندو مسلم فسادات کو روکنے کے لیے سنٹرل سپیشل پاورز ایکٹ اور پبلک سیفٹی قوانین جاری کیے گئے تھے۔[۴]

قرارداد لاہور کے منظور ہونے کے بعد انگریزی اور اُردو کے کئی ایسے اخبارات ہیں جنھوں نے ۱۹۴۰ء سے لے کر قیام پاکستان تک کے عرصے میں انگریز سامراج کو نکالنے میں اہم کردار ادا کیا، ان اخبارات نے بدیسی حکومت سے کوئی سمجھوتہ نہ کیا، انگریز کے کسی حربے کے آگے ہتھیار نہ پھینکے، ان میں دہلی سے 'ڈان' ڈھاکہ سے

'مارننگ نیوز' لاہور سے 'نوائے وقت' اور 'پاکستان ٹائمز' دہلی ہی سے 'جنگ'، 'انجام' اور 'منشور' کے نام قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ روزنامہ 'انقلاب'، 'احسان'، 'شہباز' اور 'پاسبان' کے علاوہ مسلم آؤٹ لک نے نمایاں کردار سرانجام دیا۔[۵]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے لے کر تقسیم ہند تک حکومت نے پریس کو پابند سلاسل کرنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے اور حربے استعمال کیے، اس تمام عرصے کے دوران پریس اور حکومت کے مابین تعلقات و روابط کبھی بھی مکمل طور پر خوشگوار نہیں رہے کیونکہ دونوں کے مقاصد میں زمین آسمان کا فرق تھا، ہندو اور مسلم پریس دونوں کا مقصد سامراجیت کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنا تھا اور ہر اس تحریک کو تقویت پہنچانا تھا جس کا مقصد انگریز حکمرانوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کرنا تھا۔ تقسیم سے قبل پریس اور حکومت تعلقات بالخصوص مسلم اخبارات اور انگریزوں کے درمیان ناخوشگوار رہے ہیں، مسلمانوں نے ہندوؤں سے زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں اور انگریز کی طرف سے ڈھائے جانے والے پریس مظالم کا مسلم صحافت نے بے جگری سے مقابلہ کیا، اگرچہ ہندوؤں نے بھی اس سلسلہ میں قربانیاں دی ہیں، گاندھی جی نے پریس ایکٹ کی تنسیخ کے خلاف اور اسے غیر موثر بنانے کے لیے قابل ذکر کردار ادا کیا۔ الختصر پریس نے مجموعی طور پر آزادی کو داؤ پر لگا کر انگریزوں سے کوئی سمجھوتہ نہ کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد، جب تک قائداعظم بقیدِ حیات رہے، پریس اور حکومت کے مابین تعلقات خوشگوار رہے۔ قائداعظم نے بطور گورنر جنرل ایسے تمام اقدامات کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا جن کی وجہ سے آزادئ صحافت متاثر ہوتی تھی۔ قائداعظم اور قائد ملت جب دنیا سے رخصت ہو گئے تو جمہوریت بھی ان کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۸ء تک کی قلیل مدت میں اقتدار کی میوزیکل چیئر کا کھیل جاری رہا اور نوآبادیاتی دَور کے مظالم کی یاد تازہ کی گئی، اخبارات پر مختلف طرح کی قدغنیں لگائی گئیں۔ مثال کے طور پر ۲۸/جون ۱۹۵۴ء کو قومی اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں سرکاری طور پر بتایا گیا کہ (۵۳-۱۹۵۲ء) کے دوران قابل اعتراض چیزیں چھاپنے یا پریس قوانین کی خلاف ورزی کرنے کی بناء پر ۱۵۰ اخبارات کو Warning Notice دیئے گئے[۶] ان میں پنجاب کے ۱۲۹ اخبار، صوبہ سرحد کے ۲ اخبار، کراچی کے ۱۱۳ اخبار، صوبہ سندھ کا ایک اخبار، مشرقی پاکستان کے ۵ اخبار شامل تھے۔ بہرکیف اس عرصہ کے دوران ایک مثبت تبدیلی رونما ہوئی۔ اخبارات نے اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے جدوجہد شروع کی اور حکومت سے کچھ مراعات حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

۱۹۵۴ء میں حکومت نے اخبارات میں شائع ہونے والے اشتہارات پر Advertisment ٹیکس ختم کر دیا، یہ ٹیکس حکومت نے ۱۹۵۰ء میں عائد کیا تھا اگرچہ یہ ٹیکس اشتہارات کی مالیت کے ۵ فیصد پر تھا اخبارات نے یہ

ٹیکس ختم کرانے کے لئے چار سال جدوجہد کی۔[۷] اس عرصہ کے دوران حکومت نے اپنی روش برقرار رکھی اور سیکورٹی ایکٹ کی مدد سے اخبارات کے گرد گھیرا تنگ کیا جب کہ صحافیوں کی طرف سے سیکورٹی ایکٹ کی پُر زور مخالفت کی گئی اور قرارداد مذمت میں کہا گیا تھا کہ اس کے ذریعے انتظامیہ کے اختیارات میں اتنا اضافہ کر دیا گیا ہے کہ مقدمہ چلائے بغیر یا انتظامی طور پر کسی بھی شخص کو پاکستان کے خارجی معاملات میں تعصب کے مبہم الزام اور ناقابل تشریح جرم کے تحت حراست میں لیا جا سکتا ہے یہ ایسا قانون ہے کہ غیر ملکی سامراجی حکومت کے دور میں بھی ایسے من مانے قوانین استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی گئی، فرضی ہنگامی حالات کے نام پر اس قانون کے ذریعہ عوام کو آزادیٔ اجتماع اور آزادیٔ اظہار سے محروم کرنا ہے، ایسے ملک میں جہاں کی انتظامیہ اس قسم کی من مانے قوانین سے پوری طرح مسلح ہے آزاد پریس کے بغیر ملک میں حقیقی جمہوریت قائم نہیں ہو سکتی، اشتہارات کو بطور رشوت استعمال کرنے کے لئے اخبارات و جرائد کی سیاہ فہرست تیار کی گئی، حکومت کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کو مملکت پر نکتہ چینی کے مترادف قرار دیا گیا۔

حکومت کی من مانی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سیکورٹی ایکٹ کے تحت نومبر ۱۹۵۷ء میں عبدالصمد خان اچکزئی نے تین جرائد کے اجراء کے لئے ڈیکلریشن کی درخواست پیش کی، حکومت پنجاب نے درخواست کو خلاف قانون قرار دے دیا، اچکزئی نے ہائی کورٹ میں حکومتی فیصلہ کے خلاف رٹ دائر کی فروری ۱۹۵۸ء میں ہائی کورٹ نے حکومت کے فیصلہ کو خلاف ضابطہ قرار دے دیا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حکومتی فیصلہ غیر قانونی تھا۔[۸]

حکومت پریس سے کس قدر خائف تھی اور پریس کو پابند سلاسل کرنے کے لئے کس قدر بے چین تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے جو ملک فیروز خان نون نے اپنی خودنوشت میں لکھا ہے ''اگر مجھے تھوڑا سا بھی سکون مل جاتا تو میں صحافت کے بدترین مجرموں کے خلاف کچھ کرتا۔''[۹]

خواجہ ناظم الدین کی کابینہ کے وزیر اطلاعات ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ایک کتاب کے پیش لفظ میں لکھا ہے۔ صحافت پاکستان کے پہلے گیارہ برسوں میں، بعد کے کسی بھی دور کی نسبت زیادہ آزاد تھی اور یہ جمہوریت کے وسیع تجربے کے بعد ہی ممکن ہوگا کہ صحافت اپنی وہ آزادی دوبارہ حاصل کر سکے جس کا مظاہرہ اس نے ابتداء میں کیا تھا، خرابی حکومت کی جانب سے، کھلے یا پوشیدہ طور پر لگائی جانے والی پابندیوں اور اخباروں میں متانت اور ذمہ داری کی کمی دونوں ہی باتوں میں ہے۔[۱۰]

۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جنرل محمد ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کر دیا، قومی اسمبلی اور نون وزارت کو توڑ دیا گیا، آئین کو منسوخ کر دیا گیا، تمام سیاسی پارٹیوں اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی اور اپنی حکومت کے خلاف صحافتی تنقید کو ممنوع قرار دے دیا، ایوب خان ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۸ء سے ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء تک وزارت عظمی پر بھی فائز رہے، اسکندر مرزا نے آئین منسوخ کر کے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماردی تھی، اس لئے جنرل ایوب خان نے چند روز بعد اسکندر مرزا کو صدارت کے عہدے سے فارغ کر دیا اور اس طرح ایوب خان بلاشرکت غیرے پاکستان کے حکمران بن گئے۔

جب ایوب خان نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا تو مغربی پاکستان کے بیشتر دانشوروں، مفکروں اور ادیبوں نے ایوب خان کی تخت نشینی کو خوش آئند قرار دیا، اخبارات نے ایوب خان کی آمد کی خاطر خواہ حمایت کی، اس وقت پاکستان میں ملک گیر اشاعت کا حامل کوئی انگریزی اخبار نہ تھا، اسی طرح اُردو اور بنگالی اخبارات کی اشاعت بھی محدود اور علاقائی نوعیت کی تھی، جو اخبارات نسبتاً وسیع حلقہ اثر کے حامل تھے ان کے مالکان اور مدیر صوبائی سیاست میں عملی طور پر ملوث تھے، اپنے آقاؤں کی سیاست سے علیحدگی کے بعد اب ان کے سامنے ایک خلا تھا اور جب تک ۱۹۶۲ء میں مارشل لاء نہیں اُٹھا لیا گیا۔ کسی اخبار کو ایک لمحہ کے لئے اپنے فرائض کی یاد نہ آئی اور اس دوران میں انہوں نے سنسر شپ سمیت ہر پابندی کو بغیر کسی احتجاج کے قبول کئے رکھا۔'' [۱۱] اسی طرح آئین کی منسوخی اور اسمبلیوں کو کالعدم قرار دینے پر بھی کسی اخبار نے کوئی احتجاجی اداریہ رقم نہ کیا، ایوب خان کا خیال تھا کہ بعض اخبارات کے مالکان بلیک میلنگ کے ذریعے روزی کماتے ہیں۔ [۱۲]

ایوب خان کا یہ اعتقاد تھا کہ جمہوریت سے بہتر کوئی طرز حکومت نہیں ہے، مگر شرط یہ ہے کہ حکمرانوں کو اس کے چلانے کا طریقہ آتا ہو، انہوں نے ۲۲ مئی ۱۹۵۸ء کو اپنی ڈائری میں لکھا ''اگر آپ کو رائے عامہ جو آپ کی اصلاح کر سکے میسر نہ ہو اور آپ کی عوام ۸۵ فیصد ناخواندہ ہو تو جمہوری نظام کی کامیابی ممکن نہیں۔ ایوب خان رائے عامہ کی تشکیل میں شرح خواندگی کو بنیادی اہمیت دیتے تھے اور ان کے سیاسی نظام اور پریس کو قابو میں رکھنے کی پالیسی کے پیچھے یہی اصول کارفرما تھا۔'' [۱۳]

ایوب خان کے ''نام نہاد انقلاب'' کے ایک ہفتے کے اندر اندر ہفت روزہ لیل و نہار کے ایڈیٹر سید سبط حسن کو سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا، چار دن بعد ''امروز'' کے ایڈیٹر احمد ندیم قاسمی کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ان دنوں پاکستان ٹائمز کے چیف ایڈیٹر فیض احمد فیض، حفیظ جالندھری کے ساتھ ایک ادبی کانفرس میں شرکت کے لئے تاشقند

گئے ہوئے تھے واپسی پر انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا، ان تینوں کو سیکورٹی ایکٹ کے تحت قید رکھا گیا اور سی کلاس دی گئی۔ برہنہ آمریت، جبر اور تشدد کے ان دنوں میں واحد آواز جو قانون کی حکمرانی، آزادی اظہار اور شہری آزادیوں کے حق میں مسلسل بلند ہوتی رہی وہ نحیف و نزار جسٹس ایم آر کیانی کی تھی اس کے حکم پر گرفتار ایڈیٹروں کو فروری ۱۹۵۹ء میں رہا کر دیا گیا۔[۱۴]

مارشل لاء کے تحت اخبارات کی رہی سہی آزادی بھی ختم ہوگئی اور اخبارات کو بالکل نئی روش اختیار کرنا پڑی چنانچہ ۱۹۵۸ء میں ملک میں صحافت کے نئے رجحانات شروع ہوئے جن میں عورتوں کے صفحے، بچوں کے صفحے، فلمی صفحے، جرائم کی بڑی بڑی خبریں اور حکام کے بیانات من وعن شائع کرنے شامل تھے۔[۱۵]

شریف المجاہد اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۵۳ء میں روزناموں کی تعداد ۵۵ تھی اور ایوب خان کے مارشل لاء سے قبل ۱۰۳ تھی اور ایوبی دور اقتدار کے ابتدائی چار سالوں میں آئین کی تشکیل سے قبل آرڈی نینس کے ذریعے اخبارات کے ڈیکلریشن کے حصول کو مشکل بنا دیا گیا اور ۱۹۶۲ء تک روزناموں کی تعداد صرف ۱۱۷ تھی جبکہ ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء سے قبل ۱۰۳ تھی۔[۱۶]

اس وقت مارشل لاء کا زمانہ تھا مجموعی طور پر ملک بھر کے اخبارات احتیاط پسندی سے کام لے رہے تھے اور جہاں تک میرا اندازہ ہے کہیں بھی کوئی ایسے حالات رونما نہ ہوئے تھے جو اس سخت گیر کالے قانون کے نفاذ کو صحیح یا حق بجانب ثابت کر سکتے۔ صدر ایوب فوجی ہونے کی وجہ سے Yes Sir اور Yes Boss سننے کے عادی تھے ان کے نکتہ نظر پر معمولی سی تنقید یا انحراف ان کو چیں بہ چیں کرنے کے لئے کافی ہوتا تھا اس کے علاوہ صحافت سے متعلق چند ایسے تعصّبات بھی تھے جو زمانہ دراز سے ان کے رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھے اپنے دوسرے اصلاحی منصوبوں کی طرح وہ جرنلزم کے پیشے کو بھی بزعم خود مثبت (اپنے انداز میں) خطوط پر منظّم کرنے اور استوار کرنے کے خواہش مند تھے۔[۱۷]

ایوب خان کے مارشل لاء دور حکومت میں ہر قسم کی تنقید کی ممانعت کے علاوہ ایوب کی پری سنسر شپ کے راج میں پی پی ایل کے اخبارات خصوصی سلوک کا نشانہ بنے، پری سنسر شپ کچھ دنوں کے بعد اُٹھالی گئی لیکن مظہر علی خان جو اُس وقت پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر تھے، کے مطابق پری سنسر شپ کی جگہ ایک مشاورتی نظام نے لے لی: ہم روزانہ حکومت کے مشیروں سے صلاح مشورہ کرتے تھے [۱۸]۔ ایوبی مارشل لاء کے دوران صحافیوں اور اخبارات کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا گیا اس کا اندازہ درج ذیل چند واقعاتی جھلکیوں سے لگایا جاسکتا ہے۔[۱۹]

☆ امروز کے نیوز ایڈیٹر حمید ہاشمی اور روز نامہ ''مجاہد'' لاہور کے مدیر عاصی نظامی کو مارشل لا کے نفاذ کے بعد سیفٹی ایکٹ کے تحت تین ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا انہیں ۸ جنوری ۱۹۵۹ء کو رہا کیا گیا۔

☆ ہفتہ وار ''عالمگیر'' لاہور کا ڈیکلریشن صوبائی حکومت کی جانب سے منسوخ کر دیا گیا اس کے مدیر اے۔آر۔ شبلی نے اس حکم کو عدالت میں چیلنج کیا۔عدالت نے حکومت کے حکم کو منسوخ کر دیا۔

☆ ایسٹرن ایگزامنر ڈھاکہ کی ایڈیٹر اور پبلیشر بیگم علی خان اور جوائنٹ ایڈیٹر اے علی خان کو مارشل لاء کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔(امروز،۱۵ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

☆ ''بلال پاکستان'' لاہور کے ایڈیٹر شیخ محمد سلیم اور ''اقدام'' کے مدیر کو مارشل لاء آرڈر ۲۴۰ اور ۵۱ کے تحت حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا اور چھ ماہ کے لئے جیل بھیج دیا گیا (امروز ۱۱ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

☆ ہفت روزہ ''جمالیات'' کو حکومت کے خلاف تنقید کرنے کے الزام میں مارشل لاء حکم کے تحت بند کر دیا گیا (صحافت وادی بولان میں،ص ۱۰۷)

☆ ہفتہ وار ''اتحاد'' کوئٹہ کے مدیر جاوید احمد شاہ دین کو ۱۹۵۹ء میں ایک فوجی افسر کے کوئٹہ تبادلے کی خبر چھاپنے کی بناء پر گرفتار کرلیا گیا (صحافت وادی بولان میں،صفحہ ۲۳۵)

☆ فروری ۱۹۶۰ء میں ہفتہ وار ''میثاق الحق'' کوئٹہ کو PPO کے تحت بند کر دیا گیا (صحافت وادی بولان میں صفحہ ۲۳۹)

☆ ۱۹۶۰ء میں ہفت روزہ ''ساربان'' کے ایڈیٹر ملک محمد رمضان کو قلات ڈویژن کے جاگیرداروں کے خلاف ایک سلسلۂ مضامین لکھنے کی بناء پر جیل بھیج دیا گیا۔(صحافت وادی بولان میں صفحہ ۲۱۶)

☆ ۱۹۶۰ء میں ماہنامہ معلم کو PPO ۱۹۶۰ء کے نفاذ کے بعد نیا ڈیکلریشن حاصل کرنے کا حکم دیا گیا جسے حکام نے اس کمزور سبب کی بناء پر جاری کرنے سے انکار کر دیا کہ اخبار کی مالی حالت تسلی بخش نہیں ہے اخبار ۱۹۵۰ء میں جاری ہوا اور بارہ سال بعد بند ہو گیا۔(صحافت وادی بولان میں صفحہ ۲۳۴)

مارشل لاء حکم کے تحت ''کائنات'' بہاولپور کے مدیر ولی اللہ احد اور رپورٹر شبیر انور کو بالترتیب پندرہ اور نو ماہ قید اور فی کس ۱۰۰۰۰ روپے جرمانے کی سزا سنائی ان پر حکومت کے خلاف نفرت اور بے اطمینانی پھیلانے کا الزام تھا پی ایف یو جے اور سی پی این ای کی جانب سے سخت احتجاج پر ایوب حکومت نے تین ماہ بعد ان دونوں کی رہائی کا

حکم جاری کیا (الزبیر سو سالہ صحافت نمبر ۱۹۸۴ء صفحہ ۱۹۳)۔

صدر ایوب نے اقتدار سنبھالنے کے بعد مختلف اصلاحات کا بیڑہ اُٹھایا چنانچہ صحافیوں اور اخبارات کا بھی تنقیدی جائزہ لیا جانے لگا۔ ایوب خان پریس کے متعلق کس قسم کی رائے رکھتے تھے اس کا اندازہ قدرت اللہ شہاب کی رائے سے لگایا جا سکتا ہے۔

صدارت کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے اخبارات میں صدر ایوب کی دلچسپی کا مرکز سٹاک ایکسچینج والا صفحہ ہوا کرتا تھا۔ قدرت اللہ شہاب، ''شہاب نامہ'' میں لکھتے ہیں کہ صدر ایوب کے ذہن میں یہ بات پتھر کی لکیر کی طرح جمی ہوئی تھی کہ ہمارے معاشرے میں چھپے (Printed) ہوئے حروف کی بے انتہا قدر و قیمت ہے وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ بڑے سے بڑے جھوٹ کو پرنٹنگ پریس کی مشین سے گزار کر کاغذ پر پھیلا دیا جائے تو کئی لوگوں کی نظر میں وہ قابل قبول اور قابل اعتبار بن جاتا ہے اس لئے وہ مذاق سے پرنٹنگ پریس کو ذہنی جنگ کا اسلحہ کہا کرتے تھے۔[۲۰]

صدر ایوب نے اقتدار سنبھالتے ہی وزارت اطلاعات کے سربراہ بریگیڈیئر ایف آر خان پر طرح طرح کے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ سوالات کچھ اس قسم کے تھے۔

☆ اخبار کے مالکوں کے تعلیمی اور مالی وسائل کیا ہوتے ہیں؟ جرنلزم کا پیشہ اختیار کرنے کے لئے ایڈیٹروں اور صحافیوں کی تعلیم و تربیت اور علمی ٹریننگ کا کیا بندوبست ہے۔

☆ صحافیوں کی ملازمت کی شرائط اور اجرت مقرر کرنے کا کیا طریقہ کار ہے صدر ایوب اپنا یہ نظریہ دوٹوک انداز میں بیان کرتے تھے کہ معمولی سے معمولی ڈسپنسری میں مرہم پٹی کرنے اور ٹیکا لگانے کے لئے جو کمپاؤنڈر رکھے جاتے ہیں انہیں اس کام کی پہلے سے باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے لیکن قوم کے ذہن میں صبح شام ٹیکا لگانے کے لئے جو لوگ صحافت کا پیشہ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے کسی قسم کی تربیت حاصل کرنا بالکل لازمی نہیں۔[۲۱]

> ''صدر ایوب کو شکایت تھی کہ پاکستان کا پریس بہت زیادہ زود حس ہے اس کے برعکس بریگیڈیئر ایف آر خان کے نزدیک قومی پریس بے حسی کا شکار ہے مارشل لاء حکومت کے چند دوسرے اراکین کا خیال تھا کہ پاکستانی پریس متلون مزاج ہے، موقع محل دیکھ کر زود حسی اور نازک مزاجی کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے سرکاری عہدہ داروں کی اکثریت پریس کی روش اور معیار کو اپنے اپنے داخلی پیمانے سے ناپنے کے عادی ہو چکے تھے۔''[۲۲]

ایوب خان کی تمام تر توجہ اس جنگلی گھوڑے کو سدھانے پر مرکوز ہو چکی تھی اور حکومت کی ساری مشینری سیاسی مخالفین کو دبانے کے لئے وقف کر دی گئی ایوب خان کو سب سے زیادہ غصہ پریس کے رویہ پر تھا ایوب خان کے بقول اخبارات کے خوشامدی مالکان اطاعت شعار ایڈیٹر اور ضمیر فروش صحافی جو ان کے اشارہ ابرو کے منتظر رہتے تھے مارشل لاء اٹھتے ہی عوامی حقوق اور آزادی اظہار کے چمپیئن بن بیٹھے۔[۲۳]

ایوب خان کے مارشل لاء کے دوران پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈی نینس کو پریس کو لگام ڈالنے کے لئے کافی سمجھا گیا لیکن جون ۱۹۶۲ء میں مارشل لاء اٹھائے جانے اور فرد واحد کے بنائے ہوئے آئین کے نفاذ کے بعد ایوب خان کو اپنی حکومت کے لئے سیاسی حمایت پیدا کرنے کا مرحلہ درپیش ہوا اور اس کے لئے مکمل طور پر مفتوح صحافت کی ضرورت محسوس ہوئی یوں صحافت کی آزادی کا دائرہ مزید تنگ کر دیا گیا یہ کام صوبائی آرڈی نینسوں کی مدد سے کیا گیا جو ویسٹ پاکستان پریس اینڈ پبلیکیشنز ترمیمی آرڈی نینس ۱۹۶۳ء اور ایسٹ پاکستان پریس اینڈ پبلیکیشنز ترمیمی آرڈی نینس ۱۹۶۳ء کے نام سے معروف ہے۔

۲ ستمبر ۱۹۶۳ء کو اس زمانے کے صوبائی وزیر قانون غلام نبی میمن نے لاہور میں ایک پر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ویسٹ پاکستان پریس اینڈ پبلیکیشنز ترمیمی آرڈی نینس کا اعلان کیا جس کی مدد سے اخبارات کی کارکردگی کو کنٹرول کیا جاسکے گا۔[۲۴] یہ آرڈی نینس جو ۴۷ دفعات پر مشتمل تھا ان تمام قوانین کا ملغوبہ تھا جو ۱۸۲۳ء سے لیکر ۱۹۶۰ء تک نافذ کئے گئے تھے اس قانون کا سب سے اہم نازک پہلو یہ تھا کہ اس کے ذریعے ان قوانین میں شامل وہ تمام دفعات منسوخ کر دی گئی تھی جن کا تعلق آزادی صحافت سے تھا یہ آرڈی نینس ۸ ستمبر ۱۹۶۳ء کو نافذ العمل ہوا۔اس کی چیدہ چیدہ شقیں درج ذیل ہیں جن کی وجہ سے پریس حکومت روابط ایوبی دور حکومت میں کشیدہ رہے۔[۲۵]

☆ پی پی او کے نفاذ سے قبل ڈیکلریشن کا حصول آسان تھا لیکن پی پی او کے نفاذ کے بعد ایوبی دور میں ڈیکلریشن کا حصول جوئے شیر لانے کے مترادف تھا ڈیکلریشن کے لئے درخواستیں مہینوں بلکہ سالوں تک ہر لحاظ سے مکمل ہونے کے باوجود پڑی رہتی تھیں۔

☆ پی پی او کے تحت حکومت نے ڈیکلریشن دینے یا نہ دینے اور منسوخ کرنے کا اختیار بھی اپنے پاس رکھا اخبارات کی معمولی سی کوتاہی پر ان کی اشاعت بند کر دی جاتی اور پریس مالکان اخبارات کے مدیر و ناشر کے خلاف کاروائی کی جاتی۔

☆ اس قانون کے تحت ڈیکلریشن حاصل کرنیوالے کو ضلعی مجسٹریٹ ڈپٹی کمشنر کے روبرو لکھ پتی اور کروڑ پتی ثابت ہونے کے لئے ثبوت پیش کرنا ضروری تھا۔

☆ پی پی او کے تحت ضمانت کی رقم ۱۰۰۰۰ سے بڑھا کر ۳۰۰۰۰ کردی بعض صورتوں میں عدالتی اور پارلیمانی کاروائی کی اشاعت پر پابندی عائد کردی جاتی۔

☆ پی پی او میں ایک شق یہ بھی شامل کی گئی تھی کہ انتظامیہ کی کسی کاروائی کو عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکے گا۔

☆ اس کے علاوہ یہ شق بھی آرڈی نینس کا حصہ تھی کہ اگر حکومت چاہے تو بعض حالتوں میں کسی اخبار یا چھاپے خانے یا دونوں کو عارضی طور پر اپنے قبضے میں لے لیں۔

پی پی او کی وجہ سے صحافت پر منفی اثرات مرتب ہوئے اور پریس حکومت تعلقات انتہائی کشیدہ رہے ایوبی دور کا اخبارات کو ملنے والا یہ تحفہ ایک غیر جمہوری اور ناپسندیدہ صحافتی قانون تھا اور یہ آرڈی نینس پاکستان کے آئین میں دیئے گئے شہریوں کے بنیادی حقوق سے بھی متصادم تھا اس قانون کا مقصد صحافت کو مستقل خوف و ہراس کا شکار رکھنا تھا اور یہ کہ پریس بالکل بھی حکومت کے خلاف چوں چراں نہ کر سکے نتائج یہ برآمد ہوئے کہ اکثر روزنامے ہفت روزوں اور پندرہ روزوں میں تبدیل ہو گئے کچھ فوری طور پر منظر عام سے غائب ہو گئے اور جو باقی بچے ان کی ضمانتیں بغیر وجہ بتائے ضبط کر لی گئیں۔ پاکستان کے تمام اخبارات نے پی پی او کو صحافت کا کالا قانون قرار دیا اور کچھ اخبارات نے اس آرڈی نینس کو آزادی صحافت پر کالا دھبہ کہا۔

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں پی پی او جیسا سخت قانون پہلے نہ کبھی نافذ رہا اور نہ کسی نے نافذ کیا اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ فیلڈ مارشل ایوب خان نے پریس کو لگام ڈالنے میں انگریز سامراجی حکمرانوں کو بھی مات دے دی۔ اس قانون کے ذریعے ایوب خان نے صحافت کو قریب المرگ کر دیا۔ ایوب خان اور پی پی او صحافتی تاریخ میں لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ آمریت کی آہنی گرفت کے باوجود ملک کے دونوں بازوؤں کے کارکن صحافیوں نے اپنی تنظیم پی ایف یو جے اور اس سے ملحقہ یونینوں کے ذریعے اس قانون کو چیلنج کیا اور اپنی قراردادوں میں اس کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی۔ سی پی این ای نے بھی اس آرڈی نینس کی منسوخی کے لئے چلائی جانے والی مہم میں پی ایف یو جے کا ساتھ دیا۔ ڈان کے مدیر الطاف حسین نے حکومت پر طنز کرنے کی غرض سے نیوز روم کو ہدایت کر دی کہ وہ تمام پریس نوٹ اور ہینڈ آؤٹ بغیر کسی تبدیلی کے شائع کریں۔

۴ ستمبر ۱۹۶۳ء کو ڈان میں ایک پریس نوٹ شائع ہوا، جس کی ایک سطر بھی حذف نہیں کی گئی تھی اس کا خاکہ

یوں تھا پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ آف پاکستان راولپنڈی فون نمبر ۶۲۲۷۶ کراچی فون ۲۶۷۴ ڈھاکہ فون ۳۰۵۰ ہینڈ آؤٹ نمبر ۱۲۲۱ اس کے بعد وہ سرخی تھی جو ہینڈ آؤٹ کے متن کے اوپر درج تھی اختتام پر اسٹینوٹائپسٹ کا نام وقت اورتاریخ بھی درج کی گئی تھی یہ احتجاج کا ایک منفرد طریقہ تھا جس نے نئے آرڈی نینس کو مذاق بنا کر رکھ دیا تھا۔

۶ ستمبر ۱۹۶۳ء کو PFUJ کی اپیل پر پورے ملک میں ۲۴ گھنٹے کی ہڑتال کی گئی ڈان میں ہڑتال کے اعلان پر جو سرخی لگائی گئی وہ بہت معنی خیز تھی۔[۲۶]

There Will be no Dawn Tomorrow

صحافیوں کے پرزور احتجاج پر ۱۰ ستمبر کو ایوب خان نے ایڈیٹروں کے ایک وفد سے ملنے پر آمادگی ظاہر کی چند منٹ تک غصہ اور ناخوشی کا اظہار کرنے کے بعد انہوں نے نئے آرڈینینس کے دشوار، ناقابل عمل اور بے حد سخت ہونے کے بارے میں ایڈیٹروں کا موقف سنا اور اس آرڈی نینس پر عمل ایک مہینے کے لئے روک دیا گیا۔

عبدالسلام خورشید ''داستان صحافت'' میں لکھتے ہیں کہ مارشل لاء کے خاتمہ کے بعد ۱۱۳ اخبارات اور رسالوں کو دو ماہ سے چھ ماہ تک کے لئے بند کر دیا گیا ایک اخبار سے ضمانت طلب کی گئی۔ایک جنسی رسالہ کا ڈیکلریشن منسوخ ہوا۔معاشرہ کی اصلاح کے لئے حکومت کا یہ اقدام قابل تحسین تھا۔۳۴۳ اخبارات کو وارننگ دی گئی۔[۲۷]

پی پی ایل پر قبضے کے ٹھیک پانچ سال بعد اپریل ۱۹۶۴ء میں نیشنل پریس ٹرسٹ وجود میں آیا۔مشرق پرائیویٹ کے درج ذیل اخبارات ٹرسٹ کی زیرنگرانی آ گئے۔[۲۸]

(۱۔۴) روزنامہ مشرق لاہور کراچی، پشاور، کوئٹہ ایڈیشن (۵) روزنامہ مشرق (شام کا اخبار) کراچی، (۶) ہفت روزہ اخبار خواتین کراچی (۷) اُردو ماہنامہ مستقبل لاہور۔

ٹرسٹ کے اخبارات بطور حکومتی پروپیگنڈا آرگن کے کام کر رہے تھے حکومت نے اپنے اس حربے کے ذریعے صحافت کو پابہ زنجیر کر دیا تھا اور ٹرسٹ کی اخبارات حکومت کے ہر غلط اور صحیح اقدام کی تعریف میں رطب اللسان تھے جبکہ وہ اخبارات جو نجی ملکیت میں تھے صورتِ حال کو بھانپتے ہوئے محتاط ہو گئے تھے اور انہوں نے اپنا رویہ نرم کر دیا پاکستان میں نجی ملکیت میں شہرت پانے والے اخبارات کی تعداد صرف تین رہ گئی تھی جو درج ذیل ہیں:

۱۔ روزنامہ جنگ کراچی

۲۔ انگریزی روزنامہ ڈان

۳۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور

اس صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو نجی ملکیت کے اخبارات کی نرم پالیسی وقت کی ضرورت تھی کیونکہ جو اخبارات ٹرسٹ کے زیر سایہ شائع ہونے تھے وہ تو حکومت کے خلاف تنقید نہیں کر سکتے تھے تو ایسی صورت میں نجی ملکیت کے اخبارات بند ہو سکتے تھے۔ ان حالات میں کوئی بھی ایسا اخبار باقی نہ بچتا جو حکومت کی کوتاہیوں کی نشاندہی کرتا جیسا کہ بعد کے حالات میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ نجی ملکیت کے اخبارات نے صدارتی الیکشن میں مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کو کافی حد تک سپورٹ کیا۔

این پی ٹی کا ادارہ بظاہر تو خود مختار تھا لیکن اصل میں یہ ادارہ وفاقی وزارت اطلاعات کی نگرانی میں کام کرنے لگ گیا۔ ایک فائدہ اس ٹرسٹ کی وجہ سے صحافیوں کو یہ ہوا کہ اس کے تحت ایک ویج بورڈ تشکیل دیا گیا اور ٹرسٹ کے اخبارات میں کام کرنے والے کارکنان کو درج ذیل فوائد دیئے گئے:

(۱) ان کی ملازمتوں کو تحفظ دیا گیا (۲) کارکنان کی تنخواہوں میں اضافہ کیا گیا (۳) اور ہر سال ان کے مالی مشاہرے میں بھی اضافہ کیا جاتا رہا۔ ایوبی حکومت کے اس اقدام کا مقصد ٹرسٹ کے اخبارات کے صحافیوں کو اپنے کنٹرول میں رکھنا اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا تھا اور حکومت اپنے مقصد کے حصول میں کافی حد تک کامیاب بھی رہی۔ [۲۹]

ایوب خان کے مارشل لاء دور میں مارشل لاء کی خلاف ورزی کرنے والے دو اخبارات کے مدیروں کو چھ ماہ قید کی سزا سنائی گئی مگر صحافتی اور سیاسی دباؤ پڑنے پر حکومت کو یہ حکم واپس لینا پڑا ایک سروے کے مطابق کل ۱۳ اخبارات اور رسائل کو دو سے چھ ماہ تک کے لئے نہ صرف بند کیا گیا بلکہ ان کی ضمانتیں ضبط کر کے نئی ضمانتیں بھی طلب کی گئیں ان کے علاوہ ۱۳۵ اخبارات کو حکومت کی طرف سے وارننگ نوٹس جاری کئے گئے اور نوائے وقت کے سرکاری اشتہارات بند کرنے کی سزا دی گئی۔ [۳۰]

الطاف گوہر اپنی کتاب ''ایوب خان۔ فوجی راج کے دس سال'' میں رقم طراز ہیں کہ میرے ناقدین کا خیال ہے کہ ایوب دور میں پریس کو پابہ زنجیر رکھنے میں میرا دخل ہے۔ الطاف گوہر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس نے کبھی PPO کی علی الاعلان مخالفت نہیں کی اور اس دور کے اخبارات اس امر کے گواہ ہیں کہ میں نے سیکرٹری اطلاعات کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ایوب خان کو اس آرڈی نینس کو طاق نسیاں پر سجانے کا مشورہ دیا تھا جب میں نے ایوب خان کو یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ اس قانون کی بعض دفعات قطعی طور پر ناقابل عمل ہیں تو ایوب خان نے یہ جواب دیا ''تم نئے نئے آئے ہو، تمہیں کیا خبر ہے کہ ہمارا پریس کس قسم کا ہے۔ اخبارات کے مالک انتہائی موقع پرست اور

پیسے کے پجاری ہیں اور بقول الطاف گوہر میں نے ایوب خان کو اس بات کے لئے قائل کیا کہ بعض دفعات کو منسوخ کریں۔[۳۱]

ایوب خان کے دورِ حکومت میں اخبارات پر دباؤ ڈالنے کے لیے ہر قانونی وغیر قانونی حربہ اختیار کیا گیا مثلاً اقبال حسن برنی کی زیر ادارت شائع ہونے والے ہفتہ وار ''آؤٹ لک'' کراچی اور لاہور کا ہفت روزہ ''اقدام'' دونوں حکومتوں کی جانب سے دباؤ پڑنے کے باعث ۱۰ اگست ۱۹۶۴ء کو بند ہو گئے۔ The New York Times نے ۱۳/ اگست ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں ان دونوں اخبارات کے بند کئے جانے پر یہ لکھا کہ اس کارروائی کے بعد مغربی پاکستان میں حکومت کی پالیسی پر تنقید کرنے والا ایک اخبار بھی باقی نہیں بچا ہے البتہ مشرقی پاکستان میں اپوزیشن کے چار اخبارات ابھی تک نکل رہے ہیں۔ پی پی اے (اب پی پی آئی) لاہور کے نیوز منیجر ضمیر قریشی کو نامعلوم افراد نے گولی مار کر ہلا کر دیا (ڈان ۲۹ جنوری ۱۹۶۵ء) ملک بھر کے صحافیوں نے قریشی کے قتل پر غم وغصہ کے اظہار کے لئے ایک دن کی ہڑتال کی (ڈان ۳۰ جنوری)۔ ۷ نومبر ۱۹۶۳ء کو حکومت مغربی پاکستان نے لاہور اور ملتان سے شائع ہونے والے روزنامہ کوہستان کی اشاعت پر تین ماہ کی پابندی عائد کر دی اور اس کے مدیر نسیم حجازی کو گرفتار کر لیا (ڈان ۸ نومبر ۱۹۶۳ء)۔ حکومت کی اس کاروائی کا سبب اخبار میں ایک غلط اور بے بنیاد رپورٹ کی اشاعت تھی دراصل اس کی پشت پر اور بھی بہت کچھ تھا جس میں عملہ کے اندرونی اختلافات بھی شامل تھے۔[۳۲]

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے دنوں میں پریس ایڈوائس کا نظام نافذ کیا گیا۔ ہنگامی حالات ملک میں یا سرحدوں پر کسی غیر معمولی صورتحال کے دوران یا دو ملکوں میں کھلی جنگ کی صورت میں دنیا بھر کو اخبارات پر ی سنسر شپ برداشت کرنا پڑتی ہے یا بعض ہدایات کی پابندی کرنی پڑتی ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے ہاتھ ایسی اطلاعات نہ لگ جائیں جن سے وہ فائدہ اُٹھا سکیں اور ایسی رپورٹیں گردش نہ کریں جن سے قومی سلامتی یا حوصلے کا خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ حکومتوں کو حاصل ان اختیارات کا ہدف دشمن ہوتا ہے نہ کہ اخبارات۔[۳۳]

اس پریس ایڈوائس کے حربے کی وجہ سے پریس اور حکومت کے مابین تعلقات انتہائی کشیدہ رہے جو اخبارات پریس ایڈائس کی خلاف ورزی کرتے۔ (۱) ان اخبارات کو اشتہارات سے محروم کر دیا جاتا۔ (۲) نیز پرنٹ کوٹہ میں نمایاں کمی کر دی جاتی۔ (۳) اور حکومت صحافت سے متعلق درآمد ہونے والی مشینری یا سامان کا لائسنس منسوخ کر دیتی درآمد شدہ سامان اپنے قبضے میں لے لیتی۔ اس پریس ایڈوائس کے ذریعے بعض اوقات اخبارات کو حکومت کے خلاف سیاسی جماعت کے لیڈر کا بیان شائع کرنے کی اجازت نہ تھی۔ سرکاری دفتر سے جاری ہونے

والے ہینڈ آؤٹ اور پریس نوٹ کو ہر صورت میں بغیر کسی تبدیلیٔ متن کے اخبار کے تازہ شمارے میں شائع کرنے کا پابند ٹھہرایا گیا۔ پریس ایڈوائس بذات خود قانون سے کم نہیں تھا کیونکہ جس اخبار نے اس قانون کی تعمیل نہ کی اس کو حکومتی ہتھکنڈوں کا شکار ہونا پڑا۔

۱۔ روزنامہ کوہستان کو طلباء کے ہنگاموں کے متعلق خبر شائع کرنے پر دو ماہ کے لئے بند ہونا پڑا۔

۲۔ پریس ایڈوائس پر اخبار ہلال پاکستان کو حکومت کے خلاف ایک خبر چھاپنے کے الزام میں چھ ماہ کے لئے بند کر دیا گیا۔

۳۔ روزنامہ کوہستان کے ایک بار پھر سرکاری اشتہارات بند کر دیئے گئے اور حکومت پر نکتہ چینی کرنے کے الزام میں ۴۲ روز کے لئے بند کر دیا گیا۔

۴۔ روزنامہ کوہستان کی جب مالی حالت پتلی ہوگئی تو اس کے مالکان نے ۵۲ فیصد حصص برسر اقتدار پارٹی کنونشن مسلم لیگ کو فروخت کر دیئے بالاخر اس اخبار کو حکومت کے حق میں خبریں شائع کرنے کے لئے آمادہ کیا گیا۔[۳۴]

۲۵ ستمبر ۱۹۶۶ء کو مشرقی پاکستان کی حکومت نے کھلنا (مشرقی پاکستان کے شہر کا نام تھا) سے نکلنے والے دو ہفتہ وار رسالوں "The Wave" اور ''دیشر ڈاک'' پر پابندی کے احکام واپس لے لیے۔ ۲۸ مارچ کو ڈھاکہ کے روزنامہ سنگ باد کا ڈیکلریشن مشرقی پاکستان حکومت کے احکام پر ڈی پی آر (ڈیفنس آف پاکستان رولز) کے تحت منسوخ کر دیا گیا اخبار کے مدیر نصیر الدین احمد کو گرفتار کر لیا گیا۔ ڈی سی نے ڈیکلریشن کی بحالی کی درخواست مسترد کر دی۔ ڈھاکہ ہائی کورٹ نے ڈپٹی کمشنر کا حکم کالعدم قرار دے دیا اس کے ساتھ ساتھ فاضل ججوں نے حکومت کی طرف سے فیصلے کے خلاف اپیل کی اجازت کی درخواست مسترد کر دی۔[۳۵]

نومبر ۱۹۶۸ء میں عوامی تحریک گھن گرج کے ساتھ جاری تھی تو تحریک کے ابتداء میں حکومت نے صحافت کو اپنے تابع کرنے کی کوشش کی اور جب یہ ناکام رہی تو اسے کھلا چھوڑ دیا چنانچہ اس وقت ملکی صورتحال کچھ یوں تھی، اندرون خانہ ملکی معیشت انتہائی شدید بحران کا شکار تھی، امن عامہ کی چادر تار تار تھی، ایک مشتعل ہجوم نے کراچی ریس کورس پر حملہ کر کے وہاں کے ہر شعبے کو تہس نہس کر دیا، P.I.D.C سرکاری نیم سرکاری اور پرائیویٹ تجارتی اداروں کے علاوہ سب چھوٹی بڑی صنعتیں ملیں اور فیکٹریاں بھی گھیراؤ جلاؤ کی زد میں آئی ہوئی تھی ۱۳ مارچ ۱۹۶۹ء کو کراچی سٹاک ایکسچینج بند ہوگی۔ ڈھاکہ میں آدم جی جوٹ ملز اور پاکستان تمبا کو کمپنی پر مزدوروں نے قبضہ جما لیا مشرقی

اور مغربی پاکستان کا شہر شہر گلی گلی کوچہ کوچہ ’ایوب کتا ہائے ہائے ایوب کتا مردہ باد‘ کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہا تھا۔اس تحریک کو پروان چڑھانے میں پریس نے اہم کردار ادا کیا۔ بالآخر کابینہ کے آخری اجلاس کے بعد ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو یحییٰ خان نے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔[۳۶]

عبدالسلام خورشید داستان صحافت میں رقم طراز ہیں: ’’کیا ٹرسٹ کے اخبارات اور کیا دوسرے اخبارات سبھی نے تحریک کی خبریں بڑھ چڑھ کر چھاپیں اور آخر کار صدر ایوب کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور اس کی جگہ مارشل لاء آ گیا۔‘‘[۳۷]

یحییٰ خان کے مارشل لاء سے ملک میں اظہار رائے کی آزادی مل گئی۔ یحییٰ خان نے اعلان کیا کہ میرے دور میں جمہوریت پھلے پھولے گی صرف مارشل لاء کے نظم و نسق پر نکتہ چینی کے علاوہ اخبارات کو ہر طرح کی بندھنوں سے آزاد کر دیا حتیٰ کہ اخبار نکالنے کے لئے ڈیکلریشن کے حصول کی تمام تر رکاوٹیں بھی دور کر دی گئیں، ہر فرد کا نقطہ نظر سامنے آنے لگ گیا جن حقائق کو ایوب خان کے دور حکومت میں چھپایا گیا تھا اخبارات کے ذریعے وہ بھی سامنے آنے لگ گئے ملکی سلامتی کے خلاف کھلم کھلا خبریں اور مضامین شائع ہونے لگ گئے جو بعد میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سبب بنے۔[۳۸]

یحییٰ دَور کی آزادیوں کا نتیجہ تقابلی صورت میں اس طرح سامنے آتا ہے کہ ۱۹۶۲ء میں روزناموں کی تعداد ۷۵ تھی جب کہ ۱۹۷۰ء میں یحییٰ خان کے دور حکومت میں ۱۱۷ ہو چکی تھی علاوہ ازیں ۱۹۷۰ء تک ہفت روزوں اور ماہناموں کی تعداد ۱۴۵ تھی۔[۳۹]

یحییٰ دور میں سیاسی جماعتوں کے اخبارات بھی منظر عام پر آئے اس دور میں بے شمار سیاسی جرائد منظر عام پر آ گئے تھے جو اپنی پسند کی سیاسی جماعتوں اور لیڈروں کی حمایت میں مہم چلا رہے تھے، چند ایک جرائد ایسے بھی تھے جنھوں نے سیاست کی اس گرم بازاری میں اخلاقی ضابطوں کو بھی نظر انداز کر دیا تھا اور اپنے مخالفین کی کردار کشی میں ضابطۂ اخلاق کو سبوتاژ کر رہے تھے۔ مرکزی وزیر اطلاعات نے سرکاری اخبارات سے ترقی پسند صحافیوں کو نوکریوں سے نکال دیا تھا اور سرکاری ذرائع ابلاغ کا جھکاؤ دیگر اخبارات کے ساتھ ساتھ دائیں بازو کی سیاست کی مکمل حمایت کی طرف تھا، اس دور میں بہت سے نئے اخبارات کا اجراء ہوا۔

۵ مئی ۱۹۶۹ء کو صوبائی حکومتوں نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو مرکزی اطلاعات کی ہدایت لئے بغیر ڈیکلریشن کے سلسلے میں تمام کیسوں کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا، (ڈان، ۶ مئی ۱۹۶۹ء)[۴۰]

۷۰۔۱۹۶۹ء کے دوران حکومت نے ''۱۲۲۰'' روزنامے ہفت روزے، ماہنامے اور سہ ماہی رسائل و جرائد شائع کرنے کی اجازت دی[۴۱]۔ ''جنرل یحییٰ خان کے دورِ حکومت میں صحافت کو جس قدر زیادہ آزادی حاصل تھی، اس کی مثال برصغیر کی صحافت کی (۱۵۰) ڈیڑھ سو سالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔'' گو کہ یحییٰ خان کی حکومت مارشل لا سے عبارت تھی لیکن صحافتی آزادی کافی حد تک تھی اور پریس نے اس آزادی کا غلط استعمال کیا پریس نے ملک میں طبقاتی کشمکش کو ہوا دی۔

۱۹۷۰ء کو انتخابی مہم کے دوران ایک بار پھر یہ واضح ہوا کہ ہمارے اخبارات عموماً رائے عامہ کی نمائندگی کرنے میں کامیاب نہیں ہے، روزنامہ آزاد، روزنامہ مساوات اور روزنامہ پیپل ڈھاکہ کے علاوہ دیگر تمام اخبارات نے جو دعوے کئے تھے، اور جس قسم کے مضامین، خبریں اور کالم وغیرہ شائع کئے تھے۔ وہ سب غلط ثابت ہوئے اور انتخابات کے نتائج ان کے دعوؤں سے بالکل مختلف آئے۔ سیاسی جریدوں میں الفتح (۲) معیار، (۳) لیل و نہار (۴) نصرت (۵) زندگی (۶) ترجمان (۷) ''چٹان'' نے انتخابی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔

راولپنڈی کی خصوصی فوجی عدالت نے ۲۰ فروری ۱۹۷۱ء کو راولپنڈی کے ہفتہ وار انٹرونگ (Inter Wing) کے ایڈیٹر اے آر شمس اور اخبار کے کالم نگار سید نجی اللہ کو پی پی او کی دفعہ ۲۴۔اے اور مارشل لاء ریگولیشن نمبر (۲) اے اور ۶ کے تحت سزا سنائی، انہیں ۲۰ دسمبر ۱۹۷۰ء کو اخبار میں ایک قابل اعتراض مضمون لکھنے اور شائع کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا، نجی اللہ کو جو اس وقت ''پاکستان آبزرور'' اور ''ڈھاکہ'' کے نمائندے بھی تھے، پانچ سال قید بامشقت اور پانچ ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی، جبکہ اخبار کے مدیر کو تین سال قید با مشقت اور ۳۵۰۰۰ ہزار روپے جرمانے کی سزا دی گئی۔

PFUJ اور اس سے ملحقہ یونینوں کی جانب سے شدید احتجاج پر ۱۳ مارچ کو دونوں کو رہا کر دیا گیا۔[۴۲]

PFUJ نے حکومت سے پریس پر عائد تمام پابندیاں ختم کرنے کا مطالبہ کیا یونین کی مجلس عاملہ نے فیصلہ کیا کہ اخبار نویس ایسے تمام انتظامی احکام اور ایڈوائس کی خلاف ورزی کریں گے جن سے معروضی رپورٹنگ کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو، PFUJ (مغربی پاکستان) کے عہدے داروں نے مشرقی پاکستان کی صحافی برادری کے ساتھ اپنی مکمل ہم آہنگی کا اظہار کیا انہوں نے پریس پر عائد پابندیوں کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔ (ڈان، ۶، مارچ ۱۹۷۱ء)

۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء کو جنرل یحییٰ نے مکمل پریس سنسر شپ نافذ کر دی گئی، ڈھاکے سے واپسی پر بھٹو نے اخبار نویسوں کو بتایا خدا کے فضل سے پاکستان بچ گیا ہے۔

یحییٰ خان نے مارشل لاء ریگولیشن ۷۷ بھی جاری کیا جس میں کہا گیا تھا کہ پہلے سے سنسر کرائے بغیر کوئی خبر، پوسٹر یا پمفلٹ پریس میں نہیں چھاپا جاسکے گا۔(ڈان،۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء)[۴۳]

اس کے علاوہ اخبارات نے ایسے اشتہارات بھی شائع کیے جو اس بات کی غمازی کرتے تھے کہ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن چکا ہے۔

۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ کو ذوالفقار علی بھٹو نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے چوتھے صدر اور دنیا کے پہلے سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے طور پر اقتدار سنبھالا۔[۴۴]

عبدالسلام خورشید داستان صحافت میں رقم طراز ہیں کہ ہم نے اسے جمہوری دور ان معنوں میں کہا ہے کہ زمام اقتدار عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کے ہاتھوں میں آگئی لیکن ایک لحاظ سے جمہوری دور نہیں تھا کیونکہ مارشل لاء بدستور قائم رہا اور صدر مملکت پہلے مارشل لاء کے ناظم اعلیٰ کے عہدے پر بھی فائز تھے مارشل لاء کے تمام ریگولیشن موجود تھے۔[۴۵]

ذوالفقار علی بھٹو نے بطور صدر مملکت پہلے خطاب میں کہا میں پاکستان کی تاریخ کے ایک فیصلہ کن لمحے میں آیا ہوں ہم اپنی تاریخ کے بدترین اور مہلک بحران کا سامنا کر رہے ہیں ہمیں کرچیاں، بہت چھوٹی چھوٹی کرچیاں، چننی پڑیں گی، مگر ہم ایک نیا پاکستان بنائیں گے۔۔۔۔میں چاہتا ہوں کہ ہمارا معاشرہ پھلے پھولے، میں چاہتا ہوں کہ لوگ سانس لے سکیں، میں چاہتا ہوں کہ گھٹن کا خاتمہ ہو۔۔۔۔ہمیں اپنی حکومت کو جواب دہ بنانا ہے، ہمیں اس بحران کا سامنا اس لئے کرنا پڑا کہ جواب دہی کا وجود نہیں تھا۔(''ڈان''،۲۱ دسمبر ۱۹۷۱ء) [۴۶]

۱۹۶۸ء میں پاکستان پیپلز پارٹی کے اساسی اصولوں میں بھٹو نے حقیقی آزادی اظہار اور آزادی اجتماع کا وعدہ کیا تھا انہوں نے اصرار سے کہا تھا کہ حقیقی آزادی اظہار صحافت کی آزادی کے بغیر عمل میں نہیں آسکتی......صحافت کا منصب عوام تک درست اطلاعات پہنچانا ہے نہ کہ غلط اطلاعات پہنچانا......آج کل پریس کو دھوکا دینے کا معاوضہ دیا جاتا ہے اور اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کردے تو اسے سزا دی جاتی ہے......

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے خطاب میں کہا......ہمیں ایک ایسی صورتحال پیدا کرنا ہوگی جب کوئی عام آدمی گلی کا کوئی غریب آدمی مجھ سے برملا کہہ سکے کہ تم جہنم میں جاؤ میں تمہاری بات نہیں مانتا میں تمہیں پسند نہیں کرتا......مجھ پر یقین کیجئے ہمیں اپنی حکومت کو جواب دہ بنانا ہوگا......(''ڈان''،۲۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء) [۴۷]

اس کے ساتھ ساتھ بھٹو نے پریس سے شکوہ کیا اخباروں نے میرے بارے میں ہر طرح کے غلط تاثر پیدا

کئے انہوں نے میرے بیانات کو مسخ کر کے پیش کیا انہوں نے میرے اور میری پارٹی کے خلاف ایک زبردست مہم چلائی صرف اس لئے کہ ہم جمہوریت اور سماجی انصاف کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔[۴۸]

ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد پاکستان ٹائمز کے چیف ایڈیٹر مسٹر زیڈ اے سلہری کو ایک انتظامی حکم کے ذریعے برطرف کر دیا نیشنل پریس ٹرسٹ کی افادیت کو سمجھتے ہوئے اسے جوں کا توں رہنے دیا بلکہ ایک آرڈی نینس کے تحت این پی ٹی کے تمام بورڈ آف ڈائریکٹرز کو برطرف کر دیا۔ٹرسٹ کے چیئرمین کی تقرری کا اختیار صدر مملکت کو سونپ دیا۔[۴۹] ۴ جنوری ۱۹۷۲ء کو کراچی میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ''پریس پر عائد تمام پابندیاں اور کنٹرول ختم کر دئے گئے اور پریس آزاد ہے...... پریس کو آزادی ہے کہ جو چاہے کہے جو چاہے لکھے...... ہماری حکومت سے اگر کوئی غلطیاں ہوئی ہیں تو ہمیں معاف کر دیجئے اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ ہماری حکومت ابھی نئی ہے۔''[۵۰]

ذوالفقار علی بھٹو جس نے اقتدار میں آنے سے قبل این پی ٹی کو توڑنے کا عہد کیا تھا لیکن اقتدار میں آنے کے پانچ ہفتے بعد یعنی ۱۵ فروری ۱۹۷۲ء کو ایک مارشل لاء آرڈر جاری کیا۔ ایم ایل او ۵۳ کی رو سے بورڈ آف ٹرسٹیز کو توڑ دیا گیا اور بورڈ آف ڈائریکٹرز کو معطل کر دیا گیا حکومت نے این پی ٹی کو قومی مملکت میں لے لیا اس طرح ٹرسٹ کے تمام اخبارات حکومت کی تحویل میں آ گئے ان اخبارات کے نام درج ذیل ہیں:

(۱۔۴) روزنامہ مشرق (لاہور، کراچی، پشاور اور کوئٹہ)

(۵۔۶) روزنامہ امروز (لاہور، ملتان)

(۷۔۸) پاکستان ٹائمز (لاہور، راولپنڈی)

(۹) مارننگ نیوز، (کراچی)

(۱۰) اخبار خواتین (کراچی)

(۱۱) سپورٹس ٹائمز (لاہور)

اخبار خواتین ہفت روزہ ہے اور سپورٹس ٹائمز ماہنامہ ہے ٹرسٹ کے آٹھ روزناموں کی اشاعت پاکستان کے تمام روزناموں کی مجموعی اشاعت کا ۲۰ فیصد تھی[۵۱]۔ٹرسٹ کے تمام اخبارت نے ''عوامی مارشل لاء'' نافذ ہونے پر اپنی وفاداری کا رخ عوامی صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی جانب موڑ دیا۔ ۲۷ جولائی ۱۹۷۲ء کو وزیر اطلاعات مولانا کوثر نیازی نے کوئٹہ کے ایڈیٹروں اور سینئر صحافیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی پارٹی نے

این پی ٹی کے توڑے جانے کا موقف اس لئے اختیار کیا تھا کہ اس وقت پیپلز پارٹی کی حکومت نہیں تھی اور ٹرسٹ عوام دشمن طاقتوں کے ہاتھ میں تھا موجودہ حکومت عوام کی منتخب کردہ حکومت ہے اور اسے عوام کی حمایت حاصل ہے انہوں نے فخریہ انداز میں کہا کہ یہ کہنے میں کوئی شرمندگی نہیں کہ میں این پی ٹی پر حکومت کے کنٹرول کے حق میں ہوں ۱۹۷۳ء کے آئین نے ایم ایل او ۵۳ کو خصوصی تحفظ فراہم کر کے ان قوانین میں شامل کر دیا جن کی منسوخی یا جن میں ترمیم کے لئے صدر کی پیشگی منظوری لازمی ہے۔[۵۲]

ذوالفقار علی بھٹو نے آزادی صحافت، سچ کو برداشت کرنے اور حکومتی اقدام پر تنقید کو برداشت کرنے کے جتنے بلند و بانگ دعوے کئے تھے وہ سب ریت کے گھروندے ثابت ہوئے۔ بھٹو نے پریس کو جو سبز باغ دکھائے تھے ان پر بالکل عمل نہ کیا۔ بھٹو نے اپنی کہی ہوئی بات پر بالکل عمل نہیں کیا اور بعد کے حالات نے یہ بات ثابت کر دی کہ جبر و تشدد میں بھٹو بھی ایوب خان سے پیچھے نہیں رہے۔ ''قائد عوام'' نے جو کچھ صحافت کے ساتھ کیا وہ جمہوریت کے شایان شان نہیں تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو کا دور حکومت صحافیوں کے لئے بھاری ثابت ہوا، اس دور میں پریس اور صحافیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا اس کا اندازہ درج ذیل واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔[۵۳]

۶ فروری ۱۹۷۲ء کو مارشل لاء ضابطہ ۲۸ کے تحت روزنامہ ڈان کراچی کے چیف ایڈیٹر مسٹر الطاف گوہر (وہ ایوب خان کے دور میں سیکرٹری اطلاعات بھی رہے ہیں) کو گرفتار کر لیا گیا۔ ۲۴ فروری کو حکومت پنجاب نے ''پنجاب پنچ'' کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا۔ ڈیکلریشن منسوخ ہونے کی وجہ صرف یہ تھی کہ پنجاب یونیورسٹی کے کیمپس میں ایک جلسہ کے دوران بھٹو کے پرانے دوست اور ہمدرد صحافی حسین نقی نے یہ سوال کہ انہوں نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بننے کا انتخاب کیوں کیا، اس پر بھٹو نے چلا کر حسین نقی کو خاموش کر دیا۔ بھٹو نے یہ دلیل دی کہ تم اتنے عرصے تک چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کو برداشت کر چکے ہو تبدیلی کی خاطر ایک سویلین چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر میں کیا حرج ہے حسن نقی کو اپنی گستاخی کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی پی پی حکومت خاص طور پر گورنر پنجاب اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی غلام مصطفی کھر پر تنقید کرنے کے جرم میں پی پی او کے تحت ان کے ہفتہ وار اخبار پنجاب پنچ کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا گیا۔

یکم اپریل ۱۹۷۲ء کو لاہور کے ہفتہ وار رسالہ، زندگی، اور ماہنامہ اردو ڈائجسٹ کے ڈیکلریشن مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون بی کے حکم سے منسوخ کر دیے گئے دونوں رسالوں کے ایڈیٹروں مجیب الرحمان شامی اور الطاف حسین

قریشی نے نام نہاد ضابطہ اخلاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ۱۵ اپریل ۱۹۷۲ کو، زندگی، کے ایڈیٹر مجیب الرحمان، اُردو ڈائجسٹ کے مدیر اور پبلشر اعجاز حسین قریشی کو مارشل لاء ریگولیشن ۱۸۹ اور ۱۶(۲۱) کے تحت جیل بھیج دیا گیا۔ اسی روز پنجاب پنچ کے ایڈیٹر اور پبلشر حسین نقی کو گرفتار کر لیا گیا ۱۷ اپریل ۱۹۷۲ء ایک اور حکم کے ذریعے انہیں کسی بھی لحاظ سے نئے جریدے کو جاری کرنے سے روک دیا گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے صحافیوں کو ہراساں کرنے کے لئے حکومتی مشینری کے علاوہ پارٹی ورکروں کو بھی استعمال کیا مثال کے طور پر ۲۷ مارچ ۱۹۷۲ء کو راولپنڈی کے اخبار ''دی ٹائمز'' کے دفتر پر پی پی پی کے ایک گروہ نے حملہ کیا۔ حکومت پنجاب نے نوائے وقت اور امروز کو اظہار وجوہ کے نوٹس جاری کئے کہ کیوں نہ انہیں حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے کے جرم میں ساٹھ ساٹھ ہزار روپے کی ضمانت پیش کرنے کے لئے کہا جائے۔ (مساوات ۱۹ جولائی ۱۹۷۲)

۱۸ اپریل ۱۹۷۲ء کو روزنامہ جسارت کراچی کے نیوز پرنٹ کے کوٹہ میں ۷۵ فیصد کمی کر دی مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے بنگال کے شہر کھلنا سے اخباری کاغذ آنا بند ہو گیا اب یہ کاغذ دوسرے ممالک سے درآمد کر کے کوٹہ سسٹم کے ذریعے حکومت تمام اخبارات کو تقسیم کرتی تھی۔ ۱۱ جولائی ۱۹۷۲ء کو ڈیفینس آف پاکستان رولز کے تحت حکومت سندھ نے صوبہ سندھ سے جاری ہونے والے اخبارات و جرائد اور خبر رساں اداروں پر سنسر شپ عائد کر دی۔ ۱۷ جولائی ۱۹۷۲ء کو ڈیفیسن آف پاکستان رولز کے تحت انگریزی اخبار، سن، کراچی اور لاہور کا ڈیکلریشن منسوخ کرتے ہوئے اس کے چھاپے خانے کو حکومت نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔

حکومت بلوچستان نے جنگ کوئٹہ کا نیوز پرنٹ کوٹہ مکمل طور پر بند کر دیا صوبائی حکومت نے اخبار کو انتباہ کیا کہ اگر اخبار کی انتظامیہ نے اخبار شائع کرنے کی کوشش کی تو پی پی او کے تحت مزید کاروائی کی جائے گی۔ بھٹو کے عوامی دَور میں پریس اور صحافیوں پر مختلف طرح کی قدغنیں لگائی گئیں۔ اس دَور کی چند جھلکیاں درج ذیل ہیں: [۵۴]

- ☆ ۳۱ جولائی ۱۹۷۲ء کو روزنامہ جسارت کراچی کا اخباری کوٹہ بند کر دیا گیا۔
- ☆ ۴ اگست ۱۹۷۲ء کو اسلام آباد کے ادارے پریس انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کو حکومت کے تمام سرکاری و نیم سرکاری اشتہارات کی تقسیم کا اختیار دے دیا گیا۔
- ☆ ۱۲ اگست ۱۹۷۲ کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت ہفت روزہ چٹان کے ایڈیٹر آغا شورش کاشمیری کو گرفتار کر لیا گیا۔

☆ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۲ء کو آغا شورش کاشمیری کو رہا کیا گیا اور ۲۴ ستمبر کو دوبارہ آغا صاحب کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔

☆ ہفتہ وار، اداکار، لاہور کا ڈیکلریشن ڈی سی لاہور نے پی پی او کے تحت منسوخ کردیا (جسارت ۳۱ اگست ۱۹۷۲) اس کے مدیر مجیب الرحمان شامی تھے رسالے کے پرنٹر اور پبلشر خواجہ صادق کاشمیری کو پی پی او کے تحت گرفتار کرلیا گیا (جنگ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۲)

☆ ہفتہ وار اذان حق کے ۱۳ ستمبر شمارے کی کاپیاں ڈی سی لاہور کے حکم پر ضبط کرلی گئیں۔ (جسارت، ۱۴ دسمبر ۱۹۷۲)۔

☆ پولیس نے جنگ، اعلان، اور جسارت کے فوٹو گرافوں کی سندھ بلوچستان ہائی کورٹ کے احاطے میں پٹائی کی جب وہ سیاسی قیدیوں کی تصویریں لے رہے تھے بعد میں پولیس نے ان کے کیمرے بھی چھین لیے۔

☆ حکومت پنجاب نے پی پی او کے تحت ہفتہ وار اذان حق سرگودھا کا ڈیکلریشن منسوخ کردیا (بزنس ریکارڈ ۱۴ اکتوبر ۷۲ء) اس سے قبل رسالے کے پبلشر خان زمان خان کو گرفتار کرلیا گیا (نوائے وقت ۱۰/۱۱ اکتوبر ۷۲ء)

☆ ۹ اکتوبر کو حکومت پنجاب کے حکم پر اُردو ہفتہ وار پیپلز ڈائجسٹ کا ڈیکلریشن منسوخ کردیا گیا (مساوات ۱۰/۱ اکتوبر ۷۲ء) سید غلام رسول شاہ ایڈیٹر ہفت روزہ سرتاج میرپور خاص کو نظر بند کردیا گیا۔

☆ پی پی او کے تحت ہفت روزہ، کہانی، لاہور کے نام اظہار وجوہ کا نوٹس جاری کیا گیا (جنگ ۱۴/۱ اکتوبر ۷۲ء)

☆ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کوئٹہ کے حکم پر روزنامہ، آزادی، کوئٹہ کا ڈیکلریشن منسوخ کردیا گیا۔

☆ ۱۵/۱ اکتوبر کو ہفت روزہ چٹان کے اخباری کاغذ کے کوٹہ میں ۲۵ فیصد کمی کی گئی۔

قائداعظم اور لیاقت علی خان کے بعد پاکستان (موجودہ) کے سب سے مقبول عوامی سیاسی رہنما ذوالفقار علی بھٹو اپنی تمام تر مقبولیت اور عوامی نفسیات کو سمجھنے کی صلاحیت کے باوجود اس امر سے بے خبر رہے کہ وہ آزاد اخبارات و جرائد کے خلاف کاروائیوں کے نتائج کا صحیح اندازہ لگا سکتے چنانچہ بکھری ہوئی اور متضاد الخیال اپوزیشن کے بے مثال اتحاد کے علاوہ ان کی ''عوامی حکومت'' کے زوال میں صحافیوں اور اخبارات کو دبا کر اور خوفزدہ رکھنے کی پالیسی کے نتائج بہت مہلک ثابت ہوئے خود ان کے اپنے سیاسی فلسفہ کے حامی صحافی بھی ان کی اپوزیشن بن گئے، بھٹو مرحوم کی مضبوط عوامی حکومت ختم کرنے میں دیر نہ لگی مارشل لاء دور کے فوجی حکمران سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی ہے کہ وہ صحافت کو آزاد رکھیں گے اور صحافیوں کے اظہار رائے پر کوئی پابندی عائد نہیں کریں گے لیکن ہمارے سول اور جمہوری

ادوار کے حکمران بھی مارشل لاء سے اپنی نفرت کے اظہار اور جمہوریت کے مسلسل دعووں کے باوجود یہ ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ ان کے دورِ حکومت میں صحافی آزادی سے اپنے پیشہ وارانہ فرائض انجام دے سکیں چنانچہ ان سول جمہوری حکومتوں کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے اپنے ادوار میں صحافت کو خائف رکھنے یا اس کی ناجائز سرپرستی کے لئے غیر جمہوری ہتھکنڈے استعمال کرتے رہیں۔ اس کی اہم اور بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ بھٹو مرحوم سمیت سول حکمرانوں میں ایک بھی ایسا نہیں آیا جو پریس کو آزادی دینے کے نتیجہ میں عوام میں اپنے لئے پیدا ہونے والی خیر سگالی اور اپنی ہی حکومت کے استحکام کا اندازہ کرسکیں۔ یہ حکمران ہمیشہ پریس کو ایک طاقت سمجھ کر اس سے خوفزدہ رہے ہیں کہ اس کے آزاد ہونے سے ان کی حکومت ختم ہوجائے گی۔ ان میں اور ان کے وزیروں، مشیروں کی سوچ یہاں تک پہنچ ہی نہیں پاتی کہ قومی پریس کی احتسابی طاقت کو تسلیم کرنے اور اس کی عمل داری کا موقع فراہم کرنے سے ایک تو خود حکومت درست پٹڑی پر رہتی ہے دوسرے یہ کہ حکمرانوں کی اس جمہوریت پسندی کا فائدہ اس نقصان سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو وہ پریس کے خلاف غیر جمہوری حربوں سے اٹھاتے ہیں۔[۵۵]

جماعت اسلامی کے سرکاری ترجمان جسارت کے سابق ایڈیٹر محمد صلاح الدین مرحوم کے مطابق یہ اخبار پی پی پی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار میں آنے سے پہلے ہی ان کے غیظ وغضب کا ہدف تھا بھٹو نے ۱۹۷۰ء میں معظم علی، الطاف حسین قریشی اور جسارت کو فکس اپ کرنے کی دھمکی دی تھی۔ اپریل ۱۹۷۲ء میں اخبار کے نیوز پرنٹ کوٹے میں ۷۵ فیصد کمی کردی گئی اور اسے ۲۶ ریل سے ۶ ریل بنادیا گیا (نوائے وقت ۱۲ اپریل ۷۲ء)۔ اس سے قبل ۷ اپریل کو پیپلز پارٹی کے ۵۰ کارکنوں نے جسارت کے دفتر کے باہر پرشور مظاہرہ کیا اور اخبار کے عملے کو پی پی پی کی بابت اپنی پالیسی تبدیل نہ کرنے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکیاں دیں۔ (جسارت ۱۸ اپریل ۱۹۷۲)

☆ ۳۰ جولائی کو اخباری نیوز پرنٹ کوٹہ ۶ اپریل سے مزید کم کرکے دو ایل کردیا گیا۔

☆ ۱۵ مارچ کو اخبار کی اشاعت پر غیر معینہ عرصے کے لئے پابندی عائد کردی گئی۔

☆ ۲۶ مارچ کو سندھ بلوچستان ہائی کورٹ نے ایک پٹیشن پر فیصلہ دیتے ہوئے پابندی کے حکم کو دائرہ اختیار سے باہر اور قانونی بنیادوں سے عاری قرار دے دیا۔

☆ لیکن بھٹو کی ''عوامی حکومت'' نے اسی شام اخبار پر دوبارہ پابندی لگادی۔[۵۶]

بھٹو دور حکومت میں نوائے وقت کا شمار حکومت کے سرفہرست مخالف اخباروں میں ہوتا تھا اور بھٹو دور میں نوائے وقت کو طویل عرصے تک اشتہارات سے محروم رکھا گیا تمام سرکاری نیم سرکاری اشتہارات اگست ۱۹۷۳ء سے

۸ جولائی ۱۹۷۴ء تک بند رکھے گئے، صرف اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر اشتہارات کی پابندی اٹھائی گئی۔ ''پہلے ۷۳۔۱۹۷۴ء میں گیارہ مارہ تک اشتہارات نہیں دیئے گئے پھر ۷۷۔۱۹۷۶ء میں چودہ ماہ تک اشتہارات کی بندش کی گئی۔''[۵۷] ۲۷/اپریل ۱۹۷۶ء سے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء تک اخبارات کو اشتہارات سے محروم رکھا گیا۔

مجید نظامی صاحب بھٹو دور کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''جہاں تک بھٹو دور کا تعلق ہے تو میرے خیال میں ایوب خان کے دور سے بھی بدتر دور تھا اگرچہ میرے ان کے ساتھ ذاتی تعلقات بھی رہے ہیں دوستانہ تعلقات بھی رہے ہیں سب جانتے ہیں کہ جب وہ ایوب کی وزارت سے باہر آئے تو نوائے وقت نے انہیں سب سے زیادہ کوریج دی، میں انہیں مذاقاً کہا کرتا تھا بھٹو صاحب! یہ ہم آپ کو کوریج نہیں دے رہے ہیں بلکہ ایک فوجی ڈکٹیٹر سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں یہ تو وقت ثابت کرے گا کہ آپ ہمیں استعمال کر رہے ہیں، جہاں تک اشتہارات، نیوز پرنٹ یا دوسرے معاملات کا تعلق ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ دور پہلے دور سے زیادہ سخت تھا۔[۵۸]

۱۹۷۳ء کے آئین کی دفعہ ۱۹ کے تحت ہر فرد اور ہر پاکستانی کو نہ صرف اظہار کی آزادی بلکہ صحافت کو بھی آزادی مل گئی لیکن مندرجہ بالا واقعات اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں کہ حکومت نے آزادئ صحافت کا گلا گھونٹنے میں ہر طرح کے حربے اختیار کیے یہاں تک کہ پاکستان کے آئین نے اس ملک کے شہریوں کو آزادی رائے کے ضمن میں جو قانونی تحفظ فراہم کیا تھا اس کا بھی پاس نہ رکھا گیا حالانکہ ۱۹۷۳ء کے آئین کی دفعہ ۱۹ میں اس بات کی ضمانت دی گئی تھی۔ دفعہ ۱۹ کے مطابق ہر شہری کو آزادئ تقریر اور آزادئ اظہار حاصل ہوگی صحافت کو بھی آزادی حاصل ہوگی لیکن یہ ایسی مناسب پابندیوں کے تابع ہوگی جو شوکت اسلام کے مفاد میں اور پاکستان کی سالمیت، سلامتی اور ملک کے یا اس کے کسی حصہ کے دفاع کے مفاد میں ازروئے قانون نافذ کی جائیں یا جو قانونی پابندیاں دوسری مملکتوں سے دوستانہ روابط، امن عامہ، شائستگی، یا اخلاق یا توہین عدالت، ہتک عزت یا جرم کے ارتکاب کے لئے استعمال کے سلسلہ میں لگائی جائیں گی۔[۵۹]

بھٹو دَور میں صحافیوں اور اخبارات کے ساتھ کیا گزری اس کا اندازہ درج ذیل چند واقعات سے لگایا جاسکتا ہے[۶۰]:

☆ حکومت پنجاب نے ہفت روزہ لیل ونہار کی اشاعت پر ایک سال کے لئے پابندی لگادی (ڈان ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۵)

☆ حکومت پنجاب نے اُردو ڈائجسٹ کی طباعت اور اشاعت پر فوری طور پر پابندی عائد کردی (مارننگ نیوز،

۱۱نومبر ۱۹۷۵ء)۸دسمبر ۱۹۷۵ءکو پی ایف یو جے نے صحافت پر عائد پابندیوں کے خلاف احتجاج کے طور پر اخباری کارکنوں سے دو گھنٹے کی علامتی ہڑتال کرنے کی اپیل کی پی ائی ڈی نے اخبارات کو ایڈوائس کے ذریعے اس کی خبر چھاپنے کی ممانعت کردی۔ان تمام پابندیوں کے باوجود کچھ اخبارات اور صحافی حکومتی تعریف میں رطب اللسان تھے مثلاً پاکستان ٹائمز۔۱۰دسمبر ۱۹۷۵ء کا اداریہ ملاحظہ کریں:’’پی پی پی کی حکومت کا رویہ پریس کے ساتھ مجموعی طور پر دوستانہ رہا ہے......دوستانہ رویہ رکھنے والی حکومت سے محاذ آرائی بے حد ناعاقبت اندیشی کی بات ہوگی اور ممکن ہے اس سے صحافت کی آزادی کے مقصد کو فائدے کی بجائے نقصان پہنچے۔‘‘

☆ اُردو ڈائجسٹ کے ایڈیٹر اور پبلشر الطاف حسین قریشی اور پرنٹر ڈاکٹر اعجاز حسین قریشی کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار کرلیا گیا (ڈان ۱۲دسمبر ۱۹۷۵ء)۔

☆ ۳۰دسمبر کو حکومت پنجاب نے اُردو ڈائجسٹ کا ڈیکلریشن منسوخ اور اس کے پریس کو سربمہر کر دیا۔

☆ پنجاب اسمبلی کے سامنے ’’اداکار‘‘، ’’الحدید‘‘ اور ’’طاہر‘‘ نامی رسالوں کے کارکنوں کے ایک مظاہرے پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔

☆ ’’سعادت‘‘، فیصل آباد کے ایڈیٹر ناسخ صفی اور اخبار کے کاتب محمد یونس کو ڈی پی آر کے تحت گرفتار کرلیا گیا، (ڈان،۱۰جنوری ۱۹۷۶ء)

☆ پابندی شدہ ہفتہ وار طاہر کے مدیر پرویز طاہر کو کراچی جاتے ہوئے ساہیوال ریلوے اسٹیشن پر گرفتار کرلیا، (’’حریت‘‘۱۸جنوری ۱۹۷۶ء)

☆ ۲۷جنوری ۱۹۷۶ء کو لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس اسلم ریاض حسین نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کی جانب سے ۱۶جنوری کو جاری کئے گئے ایک حکم پر عمل درآمد معطل کردیا جس کی رو سے ہفت روزہ ’’طاہر‘‘ کا ڈیکلریشن منسوخ کردیا گیا تھا۔

☆ حکومت سندھ کے حکم پر روزنامہ صداقت کی اشاعت پر دو مہینوں کے لئے پابندی لگادی گئی (’’جنگ‘‘ ۱۵ مارچ ۱۹۷۷ء)

☆ KUJ کے ایک اجلاس میں ۷ مارچ کو ایک جلسے کو کور کرتے ہوئے پریس فوٹو گرافر اختر اسرائیلی پر حملے کی مذمت کی۔(ڈان،۱۶مارچ ۱۹۷۷ء)

☆ ۱۹ مارچ ۱۹۷۷ء کو سندھ کے وزیر اعلیٰ غلام مصطفیٰ جتوئی نے صداقت کراچی پر پابندی کا حکم واپس لے لیا۔

☆ ۱۷ مارچ ۱۹۷۷ء کو سندھ کے محکمہ داخلہ نے صوبے میں شائع ہونے والے تمام اخباروں کے نام حکم جاری کیا جس کی رو سے انہیں پاکستان قومی اتحاد کے رہنماؤں کا کوئی بیان ان کی گرفتاری سے متعلق کوئی خبر شائع کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔

☆ ڈی پی آر کے ضابطہ ۵۴ اور ضابطہ ۲۱۳ کے تحت یہ حکم دیا گیا کہ یہ حکم نامہ کسی اخبار یا دستاویز میں شائع نہیں کیا جا سکے گا۔

☆ ممانعت کا یہ حکم صرف ۱۹ مارچ کے نوائے وقت لاہور میں شائع ہوا۔

☆ ممانعت کے اس حکم کے اجراء کے صرف ۲۴ گھنٹے بعد سندھ کے اخباروں کے نام ایک اور حکم جاری کیا گیا جس میں ۱۷ مارچ کا حکم فوری طور پر واپس لے لیا گیا۔

پریس ایڈوائس کے نظام کے تحت صحافت کی محکومی کا عروج ملک بھر کے تمام اخباروں میں ۱۹ جنوری ۱۹۷۷ء کو ظاہر ہوا جب لاڑکانے کی قومی اسمبلی کی نشست پر بھٹو کے بلا مقابلہ منتخب ہونے کا اعلان کیا گیا، آدھی رات کے بعد اخبارات کے دفاتر کو آدھے گھنٹے کے دوران یہ ہدایت نامہ موصول ہوا[۶۱] جس کے مطابق PID کی جانب سے بھٹو کا ایک پورٹریٹ فراہم کیا جائے گا جسے پہلے صفحے پر شائع کرنا ہوگا اس کا (Caption) کیپشن یہ ہوگا:

۱۔ ''اعلیٰ ترین لیڈر''، ''غیر متنازعہ لیڈر''، عظیم لیڈر را سے لفظ بہ لفظ چھاپنا ہوگا، تصویر کا سائز //8x6 ہوگا۔

۲۔ بھٹو کے بلا مقابلہ منتخب ہونے کی خبر صفحہ اول پر شائع ہوگی بلا مقابلہ منتخب ہونے والے باقی افراد (ممتاز بھٹو وغیرہ) کی خبریں اندر کے صفحات پر شائع کی جائیں گی۔

المختصر بندشوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ بھٹو کے آخری دَور میں پیش آنے والے چند واقعات جن کا تعلق صحافیوں اور اخبارات سے تھا درج ذیل ہیں:[۶۲]

☆ روزنامہ صداقت کراچی کے ایڈیٹر بشیر احمد رانا کو DPR کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ (''اسٹار''، ۱۱۔ مئی ۱۹۷۷ء)

☆ ۱۲ مئی کو حکومت سندھ نے اخباروں کو حکم دیا کہ وہ PNA کے رہنماؤں اور وزیر اعظم کے درمیان خط و کتابت ''محکمہ داخلہ کی پیشگی جانچ پڑتال کے بغیر شائع نہ کریں۔

☆ ۱۶ مئی ۱۹۷۷ء کو نوائے وقت کے تحت ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور اور اسلامی جمہوریہ ساہیوال کے ڈیکلریشن

اس بناء پر منسوخ کر دیئے کہ انہوں نے PNA کی تحریک سے متعلق رپورٹیں متعلقہ حکام کی منظوری کے بغیر شائع کی تھیں۔(''نوائے وقت''، ۱۲ مئی ۱۹۷۷ء)

☆ ممتاز احمد طاہر، ایڈیٹر ''روزنامہ آفتاب'' ملتان کو DPR کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔ (''ڈان'' ۲۸ مئی ۱۹۷۷ء)

☆ ۹ جون کو لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس جاوید اقبال نے ہفت روزہ اسلامی جمہوریہ پر پابندی کے سرکاری حکم پر عمل درآمد معطل کر دیا۔

☆ لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس ذکی الدین پال نے اُردو ڈائجسٹ کے مدیر اور پرنٹر اعجاز حسین قریشی کی جیل میں نظر بندی کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے ان کی فوری رہائی کا حکم دیا۔(''ڈان''، ۱۷۔ جون ۱۹۷۷ء)

پاکستان قومی اتحاد نے الیکشن میں دھاندلی کا الزام لگایا اور حکومت کے خلاف احتجاجی تحریک شروع کی اور یہ تحریک نفاذ نظام مصطفیٰ میں تبدیل ہوگئی، اس تحریک کی لیڈرشپ جماعت اسلامی، نیشنل عوامی پارٹی جمیعت العلمائے پاکستان کے ہاتھ میں تھی، صوبہ سرحد کی مخلوط حکومت کو مرکزی حکومت نے برطرف کر دیا تھا جس پر بلوچستان کی مخلوط حکومت نے بھی احتجاجاً استعفیٰ دے دیا، اور حکومت کے خلاف شہری علاقوں میں تحریک اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ امن وامان کی حالات ابتر ہوگئی اور جس وقت قومی اتحاد اور پیپلز پارٹی کے درمیان مذاکرات کا سلسلہ جاری تھا اس وقت فوج نے ایک بار پھر اقتدار سنبھال کر ملک میں ۵ جولائی کو مارشل لاء نافذ کر دیا۔[۶۳]

''جس وقت ملک کے حالات ابتر تھے بعض اخبارات اعلیٰ ترین رہنما، متفقہ رہنما، عظیم رہنما کی شخصیت کا سحر قائم کرنے میں مصروف تھے، پریس کو ایک بار پھر جھوٹ بولنے اور غلط اطلاعات دینے اور بدنام کرنے کا حکم دیا گیا کہیں کہیں اگر پابند پریس نے عوامی ردِعمل کے خوف سے تھوڑی بہت جنبش کرنے کی کوشش کی تو آہنی ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔'' بھٹو ئی اعتبار سے خود ہی اپنے بدترین دشمن...... مطلق العنان فرماں روا، مقدس شخصیت بن چکے تھے اور اقتدار کے بھوکے اور موقع پرست درباریوں میں سے کسی میں، کسی بھی ایک شخص میں انہیں یہ بات بتانے کی ہمت نہیں تھی[۶۴]۔ لارنس زائرنگ اپنی کتاب Pakistan The Enigma of Politicial Development میں رقم طراز ہیں: ''وہ شخص جو پاکستان کو نئے سانچے میں ڈھالنے والا تھا خود اپنے آپ کو نئے سانچے میں نہ ڈھال سکا...... جب جولائی ۱۹۷۷ء میں بھٹو کو معزول کیا گیا تو ان کے پاس اقتدار کے پانچ سے زیادہ برسوں کے عوض میں پیش کرنے کو لفاظی اور سماجی انتشار کے سوا کچھ نہ تھا۔''[۶۵] ہمایوں ادیب اپنی کتاب

''صحافت پاکستان'' میں بھٹودور کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے اس طرح سے رقم طراز ہیں کہ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں اخبارات کے خلاف استبدادی کارروائیوں کا اگر ماضی میں اس قسم کے اقدامات سے موازنہ کیا جائے تو بھٹوحکومت کا پلڑا ڈیڑھ سوسالہ برطانوی سامراج کی زیادتیوں سے بھی بھاری نظر آئے گا۔[٦٦]

اس مضمون میں پاکستان میں پریس حکومت تعلقات اور آزادیٔ صحافت کی صورت حال کا جائزہ تین اَدوار حکومت: فیلڈ مارشل جنرل ایوب خان کا دورِحکومت، جنرل یحیٰ خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے جمہوری دَورِحکومت کے تناظر میں شواہداور اعدادوشمار پیش کیے گئے ہیں۔اس ضمن میں حتمی طور پر حقائق کی بناپر کہا جاسکتا ہے کہ تینوں ادوار میں پریس کے ساتھ ناروا سلوک رکھا گیا،آمرانہ اور جمہوری دَور میں مجموعی طور پرآزادیٔ صحافت پر قدغنیں لگانے کے لیے ہر جائز وناجائز قانونی،معاشی،سیاسی اور معاشرتی ہتھکنڈے استعمال کیے گئے۔اس تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جمہوری حکومت نے بھی پریس کو کنٹرول کرنے کے لیے آمرانہ دَور کے آزمودہ نسخہ اور طریقہ ہائے کار استعمال کیے۔المختصر یہ تحقیق حقائق کی بناپر ظاہر کرتا ہے کہ پریس حکومت تعلقات مجوزہ دَور میں کشیدہ رہے اور آزادیٔ صحافت کی صورت حال بھی دگرگوں تھی۔

ماخذ وحوالہ جات

۱۔ عالی خالد محمود(۱۹۹۷ء)''پاکستان کے صحافتی قوانین''،بہاول پور،عالی پبلی کیشنز،ص۴۴۔

۲۔ نازاحسن اختر(۱۹۹۵ء)''صحافتی قوانین''،لاہور،اے ایچ پبلشرز،ص۵۱۔

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً،ص۵۲۔

۵۔ حسن مہدی(۱۹۹۵ء)''جدید ابلاغ عام''،اسلام آباد،مقتدرہ قومی زبان،ص۹۷۔

٦۔ نیازی ضمیر(۱۹۹۴ء)''صحافت پابند سلاسل''،کراچی،آج،ص۹۵۔

۷۔ عالی خالد محمود(۱۹۹۷ء)حوالہ بالا،ص٦۹۔

۸۔ نیازی ضمیر(۱۹۹۴ء)حوالہ بالا،ص۱۰۲۔

۹۔ خورشید عبدالسلام(۱۹۸۹ء)''داستان صحافت''لاہور،کاروان پریس،ص۱۴٦۔

۱۰۔ علی شہزاد، ''پریس حکومت تعلقات ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۷ء تک تاریخی جائزہ''، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ ایم اے ابلاغیات (۹۷-۱۹۹۵ء)، زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

۱۱۔ گوہر الطاف (۱۹۹۵ء) ''ایوب خان فوجی راج کے دس سال''، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز: ص ۵۲۔

۱۲۔ Khan, M. Ayub (1967) "Friends not Masters", Karachi: Oxford University Press, P.84.

۱۳۔ Ibid P.161.

۱۴۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا: ص ۱۱۹۔

۱۵۔ حسن مہدی (۱۹۹۵ء) حوالہ بالا: ص ۱۴۶۔

۱۶۔ Mujahid Al Sharif (1991) "Press System in Pakistan", Media Asia, Vol.18, No.3.

۱۷۔ شہاب قدرت اللہ (۱۹۹۰ء) ''شہاب نامہ''، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز: ص ۸۰۳۔

۱۸۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا: ص ۱۲۰۔

۱۹۔ علی شہزاد، ''پریس حکومت تعلقات ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۷ء تک تاریخی جائزہ''، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ ایم اے ابلاغیات (۹۷-۱۹۹۵ء)، زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

۲۰۔ شہاب قدرت اللہ (۱۹۹۰ء) حوالہ بالا: ص ۸۰۰۔

۲۱۔ ایضاً ص ۸۰۲۔

۲۲۔ ایضاً ص ۸۰۶، ۸۰۷۔

۲۳۔ گوہر الطاف (۱۹۹۵ء) حوالہ بالا: ص ۱۹۵۔

۲۴۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا: ص ۱۴۸۔

۲۵۔ عالی خالد محمود (۱۹۹۷ء) حوالہ بالا: ص ۵۴۔

۲۶۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا: ص ۱۵۰، ۱۵۱۔

۲۷۔ خورشید عبدالسلام (۱۹۸۹ء) حوالہ بالا: ص ۱۴۷۔

۲۸۔ Mujahid Al Sharif (1991) "Press System in Pakistan"

۲۹۔ عالی خالد محمود (۱۹۹۷ء) حوالہ بالا: ص ۶۰۔

۳۰۔ شہاب قدرت اللہ (۱۹۹۰ء) حوالہ بالا: ص ۸۳۶۔

۳۱۔ گوہر الطاف (۱۹۹۵ء) حوالہ بالا، ص ۸۔

۳۲۔ علی شہزاد، ''پریس حکومت تعلقات ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۷ء تک تاریخی جائزہ''، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ ایم اے ابلاغیات (۹۷-۱۹۹۵ء)، زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

۳۳۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا، ص ۱۷۸۔

۳۴۔ عالی خالد محمود (۱۹۹۷ء) حوالہ بالا، ص ۵۸۔

۳۵۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا، ص ۱۹۹۔

۳۶۔ شہاب قدرت اللہ (۱۹۹۰ء) حوالہ بالا، ص ۸۱۵۔

۳۷۔ خورشید عبدالسلام (۱۹۸۹ء) حوالہ بالا، ص ۱۴۷۔

۳۸۔ عالی خالد محمود (۱۹۹۷ء) حوالہ بالا، ص ۵۸۔

۳۹۔ Mujahid Al Sharif (1991) "Press System in Pakistan"

۴۰۔ Niazi Zamir (1992) "The Press Under Siege", Karachi: Press Club, P.26.

۴۱۔ ادیب ہمایوں (۱۹۹۷ء) ''صحافت پاکستان میں''، لاہور، عزیز پبلشرز، ص ۵۵۔

۴۲۔ Niazi Zamir (1992) Op.Cit, P.28.

۴۳۔ Ibid P.29.

۴۴۔ بھٹو بےنظیر (۱۹۹۵ء) ''مشرق کی بیٹی''، اسلام آباد، مساوات پبلی کیشنز، ص ۹۸۔

۴۵۔ خورشید عبدالسلام (۱۹۸۹ء) حوالہ بالا، ص ۱۴۸۔

۴۶۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا، ص ۲۱۱۔

۴۷۔ ایضاً

۴۸۔ ایضاً

۴۹۔ عالی خالد محمود (۱۹۹۷ء) حوالہ بالا، ص ۸۲۔

۵۰۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا، ص ۲۱۲۔

۵۱۔ خورشید عبدالسلام (۱۹۸۹ء) حوالہ بالا، ص ۱۴۹۔

۵۲۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا، ص ۱۳۶۔

۵۳۔ علی شہزاد، ''پریس حکومت تعلقات ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۷ء تک تاریخی جائزہ''، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ ایم اے ابلاغیات

(۹۷-۱۹۹۵ء)، زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ مجاہد منصوری (۱۹۹۲ء) ''پریس حکومت تعلقات ایک تاریخی جائزہ''، روزنامہ جنگ، لاہور، اکتوبر ۱۹۔

۵۶۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا، ص ۲۲۶۔

۵۷۔ A White Paper on Misuse of Media, 1971-1977, Govt. of Pakistan, P.85.

۵۸۔ مجید نظامی کا انٹرویو: گولڈن جوبلی اشاعت روزنامہ نوائے وقت، ملتان، ۲۰ اپریل ۱۹۹۰ء۔

۵۹۔ Constitution of Pakistan 1973, Govt. of Pakistan.

۶۰۔ علی شہزاد، ''پریس حکومت تعلقات ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۷ء تک تاریخی جائزہ''، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ ایم اے ابلاغیات (۹۷-۱۹۹۵ء)، زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

۶۱۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا، ص ۱۷۸۔

۶۲۔ علی شہزاد، ''پریس حکومت تعلقات ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۷ء تک تاریخی جائزہ''، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ ایم اے ابلاغیات (۹۷-۱۹۹۵ء)، زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

۶۳۔ احمد غفور (۱۹۹۰ء) ''اور الیکشن نہ ہو سکے''، لاہور، جنگ پبلشرز، ص ۸۔

۶۴۔ نیازی ضمیر (۱۹۹۴ء) حوالہ بالا، ص ۲۱۳۔

۶۵۔ Ziaring Lawrance (1980) "Pakistan: The Enigma of Political Development", London: W and Sons, P.147.

۶۶۔ ادیب ہمایوں (۱۹۹۷ء) حوالہ بالا، ص ۲۷۔